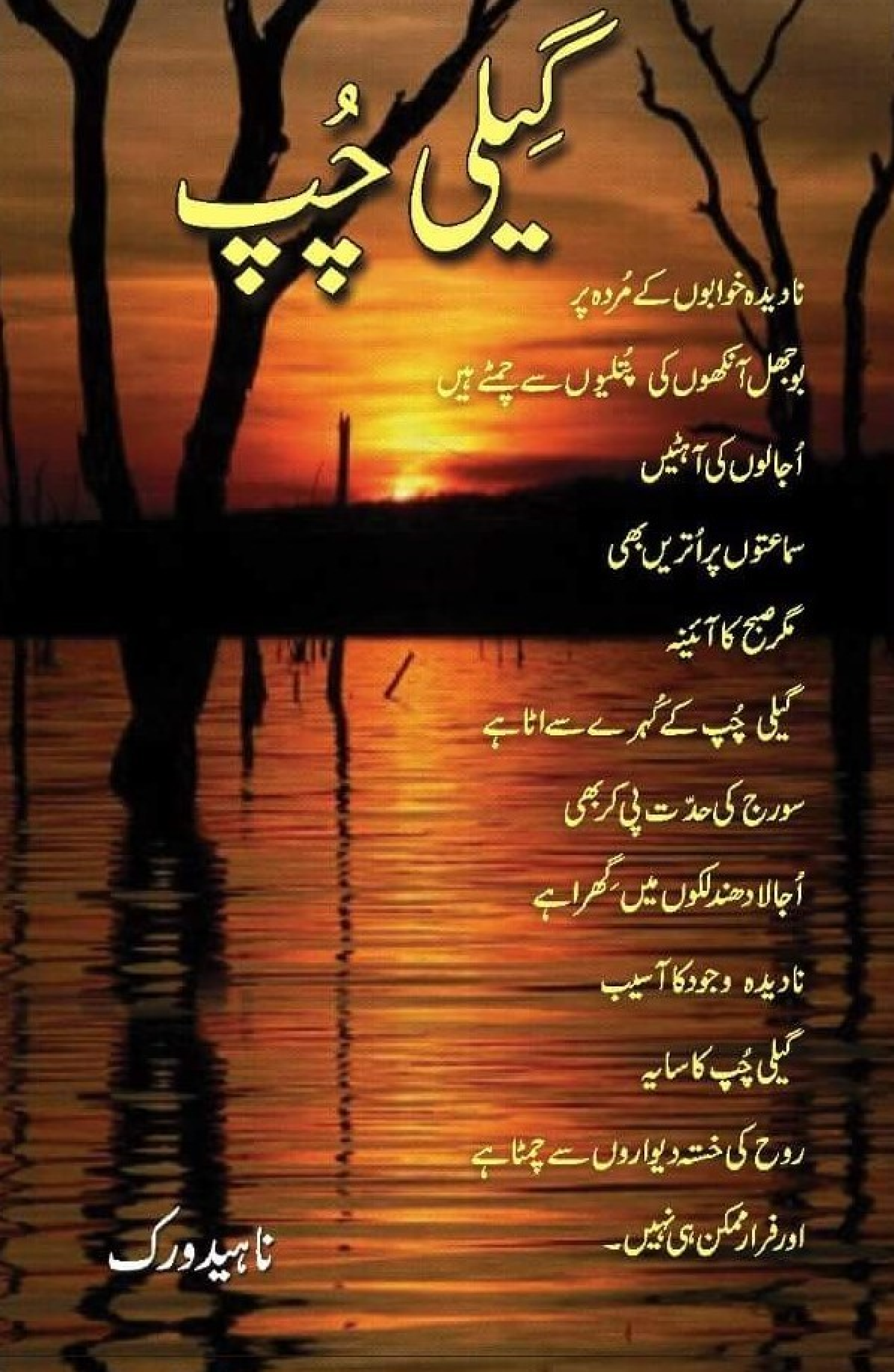


گیلی چُپ

نادیدہ خوابوں کے مُردہ پر
بوجھل آنکھوں کی پُتلیوں سے چمٹے ہیں
اُجالوں کی آہٹیں
سماعتوں پر اُتریں بھی
مگر صبح کا آئینہ
گیلی چُپ کے کُہرے سے اٹا ہے
سورج کی حدّت پی کر بھی
اُجالا دھندلکوں میں گِھرا ہے
نادیدہ وجود کا آسیب
گیلی چُپ کا سایہ
روح کی خستہ دیواروں سے چمٹا ہے
اور فرار ممکن ہی نہیں۔

ناہید ورک

یلی چُپ

2

160

گیلی چُپ

ناہیدؔ وِرک

3

160

ISBN 978 969 554 037-5

ضابطہ

بارِسوم : جنوری2019ء (پی-ڈی-ایف)
بارِدوم : 2013ء
باراِوّل : اکتوبر2012ء
کمپوزر : طارق محمود (0345-4690652)

ناشر : ماورا پبلشرز، لاہور
طابع : شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت : 20ڈالر/400 روپے
شاعرہ : ناہیدورک / Naheed Virk
naheed.virk@gmail.com

انتساب

اپنے بھائیوں

جمشید، آصف، مستنصر، عمران

کے نام

5

160

ترا ہی ہوں سراپا ہُو بہو ماں
ترا ہی مجھ میں پیکر جاگتا ہے

مَیں جب بھی تیرا چہرہ سوچتی ہوں
حسیں سا کوئی منظر جاگتا ہے

6

160

ترتیب

عقیدتوں کے پھول

غزلیں

160

160

نظمیں

مضامین

رائیگانی

160

روشنی بھرے رستوں پر جب سرُمئی دھندلکوں کا سایہ پڑ جائے
تو پھر دھواں بھری سانسوں اور دھواں بھری آنکھوں میں زندگی سجائے رکھنا کمال
ہی تو ہے
کمال ہی تو ہے پھیکے منظروں کے خالی کٹوروں کو اپنی نرم اور
اُجلی مسکانوں سے بھرتے رہنا اور یہ خواہش کرنا کہ

صبح کاذب کے گنگناتے جھرنوں کے ہمراہ
جس وقت سورج اپنی روشنی دھاگہ دھاگہ ہر ذی روح میں
بانٹتا ہے
اُس وقت میں روح کی آواز سُنوں
اپنی روح کی آواز
جو کہکشاں کے طلسم کدے سے ہوتے ہوئے
جب زمین کی طرف پلٹے تو
وہ میری گِیلی چُپ کی ساتھی ہو
اور مجھ سے کہتی ہو
" آنکھ کے آنسو پونچھ لو

چپ کے کہرے سے ہونٹوں کو آزاد کر دو
دیکھو، بے ساختہ آنسوؤں میں گھری
گِیلی چُپ کی نمی سے
تتلی کے پر گِیلے ہو رہے ہیں
چلو، تیرگی جھٹک کر روشنی پکڑو
دیکھو، سورج کتنی بے چارگی سے تمہیں تک رہا ہے

(جیسے کہہ رہا ہو)
اپنی آنکھوں سے دبیز پردے کی یہ تہہ ہٹا دو
اور کرنوں کا استقبال کرو
ہنسو اور میری روشنی اپنے اندر انڈیل لو
اٹھو اور خود سے مل لو
چُپ کے کہرے سے ہونٹوں کو آزاد کر دو
دیکھو، بے ساختہ آنسوؤں میں گھری
گِیلی چُپ کی نمی سے
تتلی کے پر گِیلے ہو رہے ہیں"
مگر
روشنی بھرے رستوں پر جب سُرمئی دھندلکوں کا سایہ پڑ جائے

160

تو پھر
سورج روٹھ جاتا ہے
اندھیرا جیت جاتا ہے
خاموشی کو پر لگ جاتے ہیں
تو ایسے میں کبھی منظر طلسم بھرے آب میں ڈھلے لگتے ہیں اور

ی جادوئی وقت کے پنجرے میں قید۔ جہاں سے ایک
سہمے ہوئے پرندے کی مانند اس انتظار میں پڑے رہتے ہیں
کہ کبھی کہیں سے کوئی آ کر پنجرے کا یہ زنگ آلود تالا توڑ
دے گا اور اُسے گیلی چُپ کے طلسم کدے سے رہائی مل جائے گی
مگر آنسو روتی آنکھوں کو کون اذنِ رہائی دے
جب مسکان کی دھوپ سے زندگی کی حرارت نکل کر بے یقینی
کے پیراہن میں ڈھل جائے تو رائیگانی جیت جاتی ہے
اور جب رائیگانی جیت جائے تو پھر
اداسی بھری کیفیت عادت بن جاتی ہے اور اس عادت میں
جب انتظار بھی شامل ہو جائے تو دل اور آنکھوں سے
بیک وقت بارش ہوتی ہے
جو جسم کی بنیادوں کو زیرِ آب لا کر اُسے کھوکھلا کر دیتی ہے

اور یہ انتظار
یہ انتظار فقط جسم ہی نہیں ڈھاتا
یہ سبز روح کو بھی پائمال کرتا ہے
اور پھر ایسے میں

ریشمی خوشبو بھرے
مدھم اُجالوں میں گھرے
لمحوں کا رستہ تکتے تکتے
کتنے ہی سر سبز موسم
بے سبب مر جاتے ہیں
اور اپنے ہاتھوں سے پھسل جاتے ہیں۔

ناہیدؔ ورک مشی گن (امریکہ)

E-mail: naheed.virk@gmail.com

Cell: +1 586 933-6824

حمد

ترا ذکر سچی دعا ہے
ترے نام سے ہی شفا ہے

ثنا، حمد، تعریف تیری
مرے علم سے ماورا ہے

حدِ سوچ میں تُو نہ آئے
مگر ہر طرف تُو دِکھا ہے

نظر کوئی کیسے چُرائے
ترا رنگ ہر سُو کِھلا ہے

ہوا، روشنی، پھول، خوشبو
تری ذات کا سلسلہ ہے

ترے اذن سے رات اُترے
ترے اذن سے دن چڑھا ہے

160 کبھی بھی جو بجھتا نہیں ہے
ترے نام کا ہی دِیا ہے

جہاں پر بھی تجھ کو پکارا
وہیں پر مجھے تُو ملا ہے

بھلا کب ترے ہو سکے ہم
مگر تُو سبھی کا ہُوا ہے

کسی راہ پر بھی چلوں میں
تجھی سے مرا واسطہ ہے

مرے دل کا خالی کٹورا
ترے ذکر سے ہی بھرا ہے

دُعا

مرے خدا

ہے مجھے اعترافِ کم علمی

حدودِ عقل میں آتا نہیں خیال کوئی

مجھے وہ علم عطا کر

کہ تجھ کو ڈھونڈ سکوں

مرے خیال کو اتنا وسیع کر مالک

کہ تیرے حکم پہ لبّیک کہہ سکوں مَیں بھی

ترے سِوا مرے دل میں کوئی طلب نہ رہے

مرے خدا

تری مرضی ہی میری مرضی ہو!

ہیں رات دن کے یہ جو سلسلے مرے مالک
تری ہی ذات سے ہیں سب جُڑے مرے مالک

بچا لے جلتے دھوئیں کے غبار سے مجھ کو
تُو ہی رحیم ہے غفّار ہے مرے مالک

مری اُمید کی لو دھیرے دھیرے بُجھ رہی ہے
بلند کر دے مرے حوصلے مرے مالک

ہیں بے گھری کے کئی ماہ و سال دامن میں
یہ ہجرتوں کا سفر اب ٹلے مرے مالک

شکستگی میں پڑی ہوں، تجھی سے مانگتی ہوں
تُو کھول دے مرے سب راستے مرے مالک

160

نکل کے تیرے کناروں سے مَیں کہاں جاؤں

ترے سِوا کو نہیں کوئی اے مرے مالک

مَیں تو حقیر سے پانی کی ایک بوند ہوں بس
قبول مجھ کو، عطا جو بھی ہے، مرے مالک

دلوں میں تقویٰ نہ ہو تو فضیلتیں کیسی
ہو فکر کی نہ بلندی تو عظمتیں کیسی

وہ جو گمان سے بڑھ کر قریب ہے میرے
رہوں جو دُور اُسی سے تو عزتیں کیسی

نہ تیرے قول سے مطلب، نہ فعل سے رشتہ
تری کتاب سے ہیں پھر یہ نسبتیں کیسی

بغیر سمجھے ہی قرآں، کیا بھلا جانو
کہ اس میں رکھی ہیں کامل ہدایتیں کیسی

کسی کو رات زیادہ ملی، کسی کو دن
مرے خدا، ہیں مجھے پھر شکایتیں کیسی

مَیں سجدہ ریز بھی ہوں اور اشک بار بھی ہوں
کہ جانتا ہے تُو ہیں تجھ سے حاجتیں کیسی

منا لو اُس کو وہ ربِ کریم ہے ناہیدؔ
وہی نہ راضی ہُوا تو عبادتیں کیسی

160

اسمِ محمّد

اُنؐ کا ذکر کرتے ہی
ہوگیا منوّر دل
اُنؐ کا نام لیتے ہی
دھند ہٹ گئی ساری
اور کُھل گئے سارے
روشنی بھری رستے۔۔۔

عذابِ ہجر سے انجان تھوڑی ہوتا ہے
یہ دل اب اتنا بھی نادان تھوڑی ہوتا ہے

یہ زندگی ہے بہت کچھ یہاں پہ ممکن ہے
کہ کچھ نہ ہونے کا امکان تھوڑی ہوتا ہے

یہ دل کے زخم چھپا کر جو مسکراتے ہیں
تو میرے دوست یہ آسان تھوڑی ہوتا ہے

کبھی کبھار تو بدعت بھی ہو ہی جاتی ہے
ہر ایک لمحہ ترا دھیان تھوڑی ہوتا ہے

وہ جس کے پاس محبت بھی ہو، وفا بھی ہو
بھلا وہ بے سرو سامان تھوڑی ہوتا ہے

160

تری وفا میں کمی کچھ تو آئی ہے کہ یہ دل
بلا جواز پریشان تھوڑی ہوتا ہے

ادھر اُدھر سے دلیلیں اُٹھانی پڑ جائیں
جو اتنا کچّا ہو، ایمان تھوڑی ہوتا ہے

160

O

ابھی سے طاقِ طلب پر نہ تُو سجا مجھ کو
ابھی تو کرنا ہے اس دل سے مشورہ مجھ کو

ابھی شبیہہ مکمل نہیں ہوئی تیری
ابھی تو بھرنا ہے اک رنگ ماورا مجھ کو

کوئی نہ کوئی تو صورت نکل ہی آئے گی
ذرا بتاؤ تو درپیش مرحلہ مجھ کو

یہ بات بات پہ تکرار و بحث کیا کرنا
کہ جیتنا ہے تمھیں اور ہارنا مجھ کو

مَیں اُس کی ذات میں شامل تھی، اُس کو مل جاتی
دُعائے خیر سمجھ کر وہ مانگتا مجھ کو

مَیں جس میں دیکھ کے خود کو سنوار لوں ناہیدؔ
ابھی ملا ہی کہاں ہے وہ آئینہ مجھ کو

27

160 O

ضبط ہونٹوں پہ آ گیا تو پھر
تیرا سب حوصلہ گیا تو پھر

سال ہا سال کا اکیلا پن
تجھ کو اندر سے کھا گیا تو پھر

میری تنہائی کا یہ سنّاٹا
ہر طرف گونجتا گیا تو پھر

وہ جو تعبیر بن کے آیا ہے
خواب سارے جلا گیا تو پھر

جھیل آنکھیں سراہنے والا
ان کو دریا بنا گیا تو پھر

160

اپنے سب لفظ دے دیے اُس کو
اب وہی بولتا گیا تو پھر

اُس کے لہجے کا رنگ اگر ناہیدؔ
تیرے لہجے پہ چھا گیا تو پھر

عکس بھی عرصۂ حیران میں رکھا ہُوا ہے
کون یہ آئینہ رُو دھیان میں رکھا ہُوا ہے

شام کی شام سے سرگوشی سُنی تھی اک بار
بس تبھی سے تجھے امکان میں رکھا ہُوا ہے

ہاں ترے ذکر پہ اک کاٹ سی اُٹھتی ہے ابھی
ہاں ابھی دل ترے بحران میں رکھا ہُوا ہے

ایک ہی آگ میں جلنا تو ضروری بھی نہیں
ہاں مگر چہرہ وہی دھیان میں رکھا ہُوا ہے

رابطے اُس سے سبھی توڑ کے یاد آیا ہے
آخری وعدہ تو سامان میں رکھا ہُوا ہے

راس آتا ہی نہیں کوئی تعلق ناہیدؔ

دلِ خوش فہم مگر مان میں رکھا ہُوا ہے

160

وہ بچھڑ کر نڈھال تھا ہی نہیں
یعنی اُس کو ملال تھا ہی نہیں

وہ تو پاؤں ہی پڑ گیا تھا مرے
جس سفر میں وصال تھا ہی نہیں

میری تصدیق کیا بھلا کرتا
وہ کبھی میری ڈھال تھا ہی نہیں

سُرمئی ہجر کو ہرا کرتا
اُس میں ایسا کمال تھا ہی نہیں

اور پھر دل نے اُس کو چھوڑ دیا
جب تعلق بحال تھا ہی نہیں

چاند پھر ہم سفر بنا میرا
میرے آگے زوال تھا ہی نہیں

160

تجھ سے آگے مَیں سوچتی بھی کیا
تجھ سے آگے خیال تھا ہی نہیں

چوم لیتا اُداسیاں ساری
کوئی ماں کی مثال تھا ہی نہیں

32

160

○

دھول ہی دھول اُڑی ہے مجھ میں
سبز اک شاخ جلی ہے مجھ میں

کتنی ویرانی ہے میرے اندر
کس قدر تیری کمی ہے مجھ میں

دور تک اب تو خموشی ہے بس
دور تک اب تو یہی ہے مجھ میں

مان لیتی ہوں مکمل ہو تم
مان لیتی ہوں کمی ہے مجھ میں

ڈھیر سارے سے ادھورے پن میں
زندگی بھی تو رہی ہے مجھ میں

سانس در سانس اِسے پڑھتی ہوں

آیتِ ہجر لکھی ہے مجھ میں
خشک ہونے ہی نہیں دیتی آنکھ
وہ جو ساون کی جھڑی ہے مجھ میں

33

160

سبز رُو آگ تھی، حدّت تھی مگر بے معنی
آگ میں شکل تھی، حیرت تھی مگر بے معنی

جو میسّر کی طلب مار رہی تھی دل کو
میرے حصّے کی ضرورت تھی مگر بے معنی

اپنی خاموشی کو آواز کیے جاتی تھی
گھر کی تنہائی سے وحشت تھی مگر بے معنی

زندگی تھی نہ کوئی روشنی کی اس میں رمق
اتنے برسوں کی رفاقت تھی مگر بے معنی

وہ عشق میں نہیں بھول گیا تھا کہ مجھے
مستقل اُس کی ضرورت تھی مگر بے معنی

160

بُجھ رہی تھیں مرے اندر مری سورج کرنیں
وہ سمجھتا تھا جو حالت تھی مگر بے معنی

وقت کی گود میں سہمے ہوئے لمحے تھے جنہیں
وِرد کرنے کی اجازت تھی مگر بے معنی

35

160 ○

نرم اُجالے بھی میری رات کو دے
صبح کا کوئی لمس ہاتھ کو دے

دفن کر کے مَرے ہوئے سب پل
زندہ لمحے بھی میری ذات کو دے

کھول کر اپنی آنکھ کی کھڑکی
کوئی روشن ستارہ رات کو دے

ہو مجسّم یہ بے خودی گر تُو
میرے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ کو دے

دھند سے اب نکال سورج کو
سبز رنگت بھی زرد پات کو دے

یہ جو صبح کے بیچ دیوارِ شب سی اُٹھی لگتی ہے
ہے عکسِ تحیّر کی یہ داستاں اور سُنی لگتی ہے

جو مَیں خواہشوں میں گِھری چُپ بھری ساعتیں تکتی ہوں
مجھے ان کے اندر تلک تری خواہش گڑی لگتی ہے

ترا وِرد کرتی ہوئی آسماں سے اُترتی ہوئی
کوئی نور جیسی دعا چار سُو گونجتی لگتی ہے

مرے آئینے میں جو تصویر تیری اُبھر آئی ہے
یہ جھٹلانے سے فائدہ، مجھ کو یہ روشنی لگتی ہے

فقط میرے چہرے پہ ہی رنگ کِھل کے نہیں اُترے ہیں
شفق شام کی میری آنکھوں سے بھی جھانکتی لگتی ہے

160

روک کر سانسیں تھمے سے رہتے ہیں
اک جگہ پر بس رکھے سے رہتے ہیں

بے خیالی میں چھلک جائیں نہ یہ
آنکھ کے ساگر بھرے سے رہتے ہیں

اپنے اندر ہی نہ مر جائیں کہیں
اس لیے تجھ سے جُڑے سے رہتے ہیں

خود کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں کہیں

تیرے پیکر میں ڈھلے سے رہتے ہیں

وہ دھندلکے کے سِوا کچھ بھی نہیں
بے سبب ہی ہم ڈرے سے رہتے ہیں

آنکھیں گِیلی چُپ سے یوں بوجھل ہوئیں
جیسے اِن میں رتجگے سے رہتے ہیں

160

ماہتابِ وجود پڑھتے ہیں
آ کتابِ وجود پڑھتے ہیں

دھوپ رنگوں میں ڈھال دیتے ہیں
آفتابِ وجود پڑھتے ہیں

تیری خوشبو کو سانس کرتے ہیں
پھر گلابِ وجود پڑھتے ہیں

اک مہک جو بدن جلاتی ہے
اُس کا بابِ وجود پڑھتے ہیں

کتنی بوجھل گزرتی ہیں شامیں
تیرا خوابِ وجود پڑھتے ہیں

160

تیری حیرانی جان لیں پہلے
پھر سرابِ وجود پڑھتے ہیں

کوئی اندر کی بات کرتے ہیں
اضطرابِ وجود پڑھتے ہیں

160

بھری رات میں جاگنا پڑ گیا ہے
ترے بارے میں سوچنا پڑ گیا ہے

کسی خواب کی پھر سے دستک ہے شاید
درِ دل مجھے کھولنا پڑ گیا ہے

تری سوچ بھی سوچنی پڑ گئی ہے
ترا لہجہ بھی بولنا پڑ گیا ہے

دھواں بن کے سانسوں میں چبھنے لگی تھی
خموشی کو اب توڑنا پڑ گیا ہے

جہاں ریزہ ریزہ مَیں بکھری پڑی تھی
وہ منظر مجھے جوڑنا پڑ گیا ہے

یہ کیا سرسراہٹ ہوئی میرے دل میں
قلم روک کر سوچنا پڑ گیا ہے

160

○

ہم اپنی روشنی کو ملگجا کر لیں
کہ پھر سے زندگی کا سلسلہ کر لیں؟

ہمیں بھی تو صحیفہ کوئی لکھنا ہے
بہت ممکن ہے خود کو آئینہ کر لیں

کہیں شاید ہرا بھی ہم کو مل جائے
تو پھر رنگوں کا بھی سے تجربہ کر لیں

ترے اندر بسیں دو چار دن اور پھر
ترے احساس کا بھی تجربہ کر لیں

برونِ جسم دہکی آگ کے اطراف
مقدس آیتوں کا دائرہ کر لیں

160

اب کہاں اس کی ضرورت ہے ہمیں
اب اکیلے پن کی عادت ہے ہمیں

سانس لیتی ایک خوشبو ہے جسے
وِرد کرنے کی اجازت ہے ہمیں

دل جزیرے پر ہے اس کی روشنی
اک ستارے سے محبت ہے ہمیں

اب ذرا سرگوشیوں میں بات ہو
مہرباں لہجے کی عادت ہے ہمیں

ہم تحیر کھول دیں گے آنکھ سے
اب میسّر تیری قربت ہے ہمیں

160

دیکھئے جا کر کہاں رُکتے ہیں اب
تیری قُربت سے تو ہجرت ہے ہمیں

پھر اُسی چوکھٹ کی دل کو ہے تڑپ
پھر اُسی در پر سکونت ہے ہمیں

160

اُلجھی ہے اپنی ذات کے اندر
صبح کی سانس رات کے اندر

مَیں کہ تجھ سے بیاں نہ ہو پاؤں
یہ بھی ہے ممکنات کے اندر

ساعتیں حیرتوں سے تکتی ہیں
دستِ خوش لمس ہات کے اندر

ایک دوجے کے رنگ بھر لیں ہم
آؤ اپنی حیات کے اندر

ہار جانے کا خوف تھا ہی نہیں
جیت تھی میری مات کے اندر

لفظ در لفظ اور ہی معنی
بات اک اور بات کے اندر

45

160

O

کوئی ایسا کمال ہو جائے
ہجر سارا وصال ہو جائے

ایک اک لمحہ تیری قربت کا
زندگی کا جمال ہو جائے

باندھ لوں خود کو دھیان سے تیرے
اور بچاؤ محال ہو جائے

آنکھ بیداریوں میں کھو جائے
رَت جگوں کی مثال ہو جائے

تیری خوشبو حدِ وجود میں ہو
اور تکمیلِ حال ہو جائے

160

آنکھ میں پھیلے ہوئے ہیں جو نمی کے دائرے
سب ہیں تیری آرزو تیری کمی کے دائرے

بھولنے کا اُس کو جب بھی مَیں ارادہ کرتی ہوں

بولنے لگتے ہیں مجھ میں بے بسی کے دائرے

اک نمی آواز میں ہے اک نمی پلکوں پہ ہے
اور اُس میں تیرتے ہیں خامشی کے دائرے

بس مرے احساس کی دیوار ہی گرتی نہیں
ویسے تو ہر شے سے جھانکیں خستگی کے دائرے

مَیں رفاقت کی کہانی گر لکھوں تو کیا لکھوں
خامشی کے دائرے یا تیرگی کے دائرے

مدّتوں کے بعد کی خوشبو نے مجھ سے گفتگو
مدّتوں کے بعد مہکے زندگی کے دائرے

160

یاد کی منڈیروں سے جھانکتے ہوئے لمحے
اوڑھ کر ترا چہرہ بولتے ہوئے لمحے

کرتے رہتے ہیں اکثر مجھ سے گفتگو تیری

سوئی سوئی آنکھوں میں جاگتے ہوئے لمحے

ہجر کے جزیرے پر اب بھی سانس لیتے ہیں
تیرے وصل کا امکاں سوچتے ہوئے لمحے

ایک عمر تو مَیں نے یہ سنبھال کر رکھے
پھر بکھر گئے مجھ سے ٹوٹتے ہوئے لمحے

کرچی کرچی یہ تیرا عکس چنتے رہتے ہیں
لمحہ لمحہ یہ تجھ کو ڈھونڈتے ہوئے لمحے

کتنی خواہشیں دل میں پلتی ہیں مگر ناہیدؔ
ہاتھ ہی نہیں آتے بھاگتے ہوئے لمحے

160

حیرتِ بے یقینی ہو رہی ہے
سرمئی چُپ سُریلی ہو رہی ہے

ہے کسی خواب کی چبھن شاید
آنکھ جو یوں گلابی ہو رہی ہے

کیوں اندھیرا یہاں مکمل ہے
روشنی کیوں ادھوری ہو رہی ہے

ڈوبتی شام پر ہے سایہ ترا
شب کی رنگت سنہری ہو رہی ہے

وصل چھاؤں کی کچھ دعا اے دوست
ہجر کی عمر لمبی ہو رہی ہے

160

جو تُو میرا مقدّر بنتے بنتے رہ گیا ہے
سمجھ لے کچھ کہیں پر بنتے بنتے رہ گیا ہے

مَیں تیری دوری و قربت سے آگے آ گئی ہوں
سو تیرا نقش دل پر بنتے بنتے رہ گیا ہے

عجب ہی کیا ہے جو مجھ کو نہیں تُو مِل سکا تو
مرا ہر کام اکثر بنتے بنتے رہ گیا ہے

کہانی اِبتدا ہی سے بہت اُلجھی ہوئی تھی
سبھی کچھ اس میں بہتر بنتے بنتے رہ گیا ہے

یہی کل رات ہی، پھر درد کی اک ٹِیس اُٹھی تھی
مرا دل پھر سے پتھر بنتے بنتے رہ گیا ہے

جو ماں یوں رو رہی تھی خواب میں تو پھر اُسے بھی
پتہ ہو گا مرا گھر بنتے بنتے رہ گیا ہے

160

ہے جس کے نام یہ رحلِ وصال ہاتھوں میں
بسے ہوئے ہیں اُسی کے ملال ہاتھوں میں

[illegible]

جو ریزہ ریزہ ہوئے، گر پڑے اچانک سے
وہ آیتوں کی طرح تھے خیال ہاتھوں میں

سُنائے کوئی تو موسم بدلنے کا مژدہ
کوئی تو آئے لیے اِندِمال ہاتھوں میں

ہوائے ہجر کی سرحد پہ رکھ کے جان و دل
وصال بجھتا ہُوا اب سنبھال ہاتھوں میں

ہرے بھرے تھے کبھی میرے خواب بھی ناہیدؔ
ہرا بھرا تھا لکیروں کا جال ہاتھوں میں

قطعہ

یہ کس کے نور کا ہالہ ہے میرے چار طرف

چمک اُٹھا ہے یہ کس کا وصال ہاتھوں میں

یہ کس کے نام کی لہریں بدن میں رقصاں ہیں
ہے کس کے نام یہ خوشبو کا تھال ہاتھوں میں

یہ کس کے چھونے سے روشن ہُوئے ہیں جسم و جاں
یہ کیا ستارہ نُما ہے کمال ہاتھوں میں

ایسے میں دِکھا نہیں شاید
مجھ میں وہ اَب رہا نہیں شاید

مَیں اُسی کے مدار میں رہتی
وہی مرکز بنا نہیں شاید

کِھل بھی سکتی تھی سانولی رنگت
روشنی ہی رِدا نہیں شاید

روح کے پار جو دکھاتا تھا
تُو وہ اب آئینہ نہیں شاید

رنگ اُترے نہیں ہیں حرفوں میں
رُو بہ رُو وہ ہُوا نہیں شاید

سوچ ساکن قلم بھی ہے ساکن
کہنے کو کچھ بچا نہیں شاید

ہوئی ہیں گویا گلاب آنکھیں
ہیں مانگیں مجھ سے حساب آنکھیں

ہیں دھانی جذبوں کی تانے چادر
بسی ہیں مجھ میں جو خواب آنکھیں

روانیِ بحر بھول جاؤ
جو دیکھ لو یہ چناب آنکھیں

عجب ہے یہ دورِ آگہی بھی
سراب سورج سراب آنکھیں

یہی ہے تکمیلِ حُسن ناہیدؔ
کہ زرد عارض، پُر آب آنکھیں

رات دن مسلسل پانیوں میں بولے
کوئی ہے جو پیہم آنسوؤں میں بولے

کیا گلابِ تازہ کیا خمارِ قربت
بس حصارِ وحشت سب رُتوں میں بولے

سانس سے اُلجھ کر روح میں اُتر کر
ایک دشتِ خواہش حسرتوں میں بولے

دھیان سے کبھی سُن، دیکھ ٹھیک سے تُو
اس جمود کو بھی جو رگوں میں بولے

پھر اُلجھ رہا ہے فیصلوں کا ریشم
پھر گماں یقیں کے راستوں میں بولے

آؤ پھر سے ہم تم زندگی کو ڈھونڈیں
زندگی جو پل پل دھڑکنوں میں بولے

روشنی یہ کس کی کھڑکیوں میں بولے
کون ہے جو ہر پل آہٹوں میں بولے

خواب اُگ رہے ہیں کس کے میرے اندر
کون ہے جو سارے موسموں میں بولے

کس کی آہٹوں سے جگمگا اُٹھی ہوں
کس کا عکس میرے آئینوں میں بولے

کس کے دیکھنے سے رُک رہی ہیں سانسیں
کس نظر کی خوشبو گیسوؤں میں بولے

خواب، رنگ، خوشبو، نُور میں وہ ڈھل کر
میرے دھیان کے سب راستوں میں بولے

O

ہو گماں جس پر کسی جھنکار کا
ایسا دھیما لہجہ ہو گفتار کا

اک عجب ہنگامہ رہتا ہے بپا
کوچۂ جاں میں تری مہکار کا

اک طرف تنہائیوں کا شور ہے
اک طرف طوفاں شبِ بیدار کا

خواہشوں کا رنگ نیلا ہو چُکا
زخم اب بھی ہے ہرا انکار کا

چند آنسو آنکھ کی دہلیز پر
ایک سایہ ضبط کی دیوار کا

آج بھی دل میں کہیں آباد ہے
پیار وہ ناہیدؔ پہلی بار کا

کھڑکیوں سے شام ہٹتی ہی نہیں ہے
روشنی کی شکل بنتی ہی نہیں ہے

اپنی اُس کے ساتھ کیسے نبھ سکے گی
اپنی اُس کے ساتھ بنتی ہی نہیں ہے

سارے رستے بند ہیں اور میری دھڑکن
اسمِ اعظم پڑھتے تھکتی ہی نہیں ہے

ہر طرف پھیلی ہے تیری یاد لیکن
گھر کا خالی پن یہ بھرتی ہی نہیں ہے

جی اُداسی سے بھرا رہتا ہے لیکن
ماں کی لاڈو شکوہ کرتی ہی نہیں ہے

○

پھر تیرے خواب ٹانک دیے ہیں پلک پلک
مہکے گلاب ٹانک دیے ہیں پلک پلک

پھر دھڑکنوں میں شور اُٹھا تیرے نام کا
پھر اضطراب ٹانک دیے ہیں پلک پلک

اے زندگی بتا تو مجھے تُو نے کس لیے
اتنے چناب ٹانک دیے ہیں پلک پلک

مَیں نے تو بات کی تھی ستاروں کی چاند کی
اُس نے سراب ٹانک دیے ہیں پلک پلک

کیسے کہوں کہ تیری رفاقت نے جانِ جاں
کتنے عذاب ٹانک دیے ہیں پلک پلک

اُس نے کتابِ زیست سے مجھ کو نکال کر
فُرقت کے باب ٹانک دیے ہیں پلک پلک

160

دُکھوں سے بھری پوٹلی کھولتے ہیں
سبھی درد اپنے تجھے سونپتے ہیں

چلو بے ارادہ ہی بے سمت نکلیں
چلو گردِ لاحاصلی اوڑھتے ہیں

وہ منظر جو ظاہر نہیں ہے کسی پر
کسی روز اُس کو کہیں ڈھونڈتے ہیں

اُسے کس جگہ پر بٹھانا ہے دل میں
یہ دل سے بھلا ہم کہاں پوچھتے ہیں

کبھی وِرد کرتے ہیں ہر رنگ اُس کا
کبھی اپنے لہجے کو ہی ٹوکتے ہیں

کبھی آرزو کی ہتھیلی ہری تھی
مگر آج کل زردیاں سوچتے ہیں

160

سوچنی پڑے گی زیست کی کہانی
لفظ لفظ اُس کو ہے اگر سنانی

دل میں اُس کی خواہش پالی ہی نہیں ہے
اور سو دکھوں سے ہے مجھے نبھانی

یاد ہیں ابھی تک روزوشب وہ سارے
خواب کی کہانی خواب میں سنانی

شام سی محبت، رات سی رفاقت
جانے کب تلک ہے اب مجھے نبھانی

ایک دوسرے کا سایہ بن رہے ہیں
اپنی اپنی لیکن ہے صلیب اٹھانی

160

مکاں بدلا ہے پر منظر نہیں بدلا
مری تنہائیوں نے گھر نہیں بدلا

ابھی تک مَیں گُماں کے دائروں میں ہوں
ابھی تقدیر کا چکّر نہیں بدلا

تجھے کس آس پر آواز دیتی مَیں
ترا تو گنبدِ بے در نہیں بدلا

بھلے ہی دیکھنے میں وہ بدل جائے
مگر اُس کا ابھی اندر نہیں بدلا

ہے چشمِ خواب تو روشن ستاروں سی
مگر تاریکیوں نے گھر نہیں بدلا

تری ناہیدؔ کب کی مر چُکی ہے ماں
مقدّر کا مگر تیور نہیں بدلا

160

O

آنکھ سے غم نہاں نہیں ہوتے
پھر بھی آنسو رواں نہیں ہوتے

عمر بھر کا ہے تیرا میرا ساتھ
اس قدر بدگماں نہیں ہوتے

ہم کلام اُن سے ہیں تصوّر میں
اصل میں یہ سماں نہیں ہوتے

یوں تو کہنے کو ہم نہیں موجود
پر یہ سوچو کہاں نہیں ہوتے

پیار ہوتا ہے یا نہیں ہوتا
اس میں وہم و گماں نہیں ہوتے

160

ابھی زندگی کی کئی صورتیں ہیں
ابھی مجھ میں زندہ کئی خواہشیں ہیں

ابھی خواب کا چہرہ نکھرا نہیں ہے
ابھی اس کی تعبیر پر گردشیں ہیں

ابھی رستے پیروں سے الجھے ہُوئے ہیں
ابھی دُور مجھ سے مری منزلیں ہیں

ابھی ہاتھ سے ہاتھ تم مت چھڑانا
ابھی رقص میں وجد میں دھڑکنیں ہیں

جو سر سبز رکھتی ہیں ناہیدؔ مجھ کو
ترے قُرب کی معتبر ساعتیں ہیں

64

160

چُھو کے دیکھو یہ خواب منظر بھی
اور پھر نور کا سمندر بھی

وہ جو حاصل ہے اور میرا ہے
کاش ہوتا کبھی میسّر بھی

پیلے رنگوں میں ڈُھل کے اُترے ہیں
جسم بھی روح بھی مقدّر بھی

دیکھتے ہی اُجڑ گیا کیسا
کوئی سایہ تھا دل کے اندر بھی

وہم ایسا عجیب تھا ناہیدؔ

جھ لو پارس لگا وہ پتھر بی

وقت کی ریت سے گزرے پل مَیں چھانتی رہتی ہوں
اُس کی خوشبو کی سرگوشیاں ڈھونڈتی رہتی ہوں

میرے چہرے پر وہ جن سے چھاؤں کیا کرتا تھا
اُس کی پلکوں کی وہ آہٹیں کھوجتی رہتی ہوں

کیسی تھکن سی اُتری ہے یہ میرے لہجے میں
مَیں آنکھوں کی سُرخی سے یہی پوچھتی رہتی ہوں

اب بھی اُس کے لہجے کی ہر وحشت دھیان میں ہے
پھر بھی اُس کی یاد کے دکھ سکھ ڈھونڈتی رہتی ہوں

لمحہ لمحہ وہ بھی مجھ کو توڑتا رہتا ہے

لمحہ لمحہ مَیں بھی خود کو جوڑتی رہتی ہوں

160 اُلجھا رہتا ہے وہ اکثر اپنے خیالوں میں
مَیں بھی تنہائی کو اوڑھے سوچتی رہتی ہوں

اُس کے ہونٹوں سے جو سُن نہیں پاتی مَیں ناہیدؔ
اُس کی آنکھوں سے اکثر وہی پوچھتی رہتی ہوں

160

تمہارے دھیان کے سورج بُجھے کیوں ہیں
یہ چار سمت اندھیروں کے سلسلے کیوں ہیں

لبوں پہ ترکِ رفاقت کے تذکرے ہیں اگر
تو میرے دل سے ترے دل کے رابطے کیوں ہیں

مَیں تیرے خواب سے باہر نکل چکی ہوں اگر
تو جا بجا تری یادوں کے قافلے کیوں ہیں

کئی دنوں سے یہاں روشنی نہیں اُتری
تمہارے دھیان کے سورج بُجھے کیوں ہیں

مَیں تیرے سنگ تو روشن سفر پہ نکلی تھی
یہ چار سمت اندھیروں کے سلسلے کیوں ہیں

نیا خیال ہے کوئی نہ خواب ہے کوئی
پھر آنکھ میں مری ناہیدؔ رتجگے کیوں ہیں

68

160

○

یونہی دھندلائے رہیں عکسِ دل و جاں کب تک
میری پلکوں پہ رہیں اشک یہ لرزاں کب تک

اب یہ تنہائی کے پاتال میں تھکنے لگی ہے
دل کے کاغذ پہ تری یاد ہو رقصاں کب تک

شاخِ دل پہ مری اب پھول کھلیں یا نہ کھلیں
تتلیوں کو رکھوں ہمراہ پریشاں کب تک

موجِ خوشبو بھی تو گزرے کبھی میرے گھر سے
غم ہی آنگن میں رہے محوِ خراماں کب تک

میری سوچوں کے سِرے ہی نہ ملیں جب تجھ سے
تو جلے گی یہ مری مشعلِ ایقاں کب تک

اب نمی رہتی ہے آنکھوں میں مسلسل اُس کی
توڑ کر مجھ کو نہ ہوتا وہ پشیماں کب تک

160
چھٹتی جائے مرے ہاتھوں سے طنابِ امید
مَیں تری راہ بھی دیکھوں تو مری جاں کب تک

صبح کے نرم اُجالے بھی تو اتریں ناہیدؔ
شام کے رنگ ہی اوڑھے دلِ ویراں کب تک

70

160

کوئی ہجر ہے نہ وصال ہے
سبھی خواہشوں کا یہ جال ہے

مری آنکھ میں جو ٹھہر گیا
تری فرقتوں کا ملال ہے

مرا ہو کے بھی نہ وہ ہو سکا
یہ عجیب صورتِ حال ہے

تمھیں صرف اوروں کی فکر ہے

کہ مرا بھی کوئی خیال ہے

مرے حال کو نہ بے حال کر
مرا تجھ سے بس یہ سوال ہے

160

روح تو ہے ترے وصال میں گُم
اور دل ہے بیانِ حال میں گُم

جانے کس سمت اُڑتا پھرتا ہے
میرا یہ دل ترے خیال میں گُم

آئینہ روٹھتا گیا مجھ سے
اور وہ میرے خدّوخال میں گُم

نیند میں جاگتا ہی رہتا ہے
دل ترے عشق کی دھمال میں گُم

اوڑھ کر مَیں شکستگی ناہیدؔ
ہو گئی خود ہی اپنے حال میں گُم

160

تجھ پہ اب بھی وہ مان باقی ہے
ہاں دلِ خوش گمان باقی ہے

برف جیسے بدن الاؤ میں
زندگی کا گمان باقی ہے

ایک سسکی رُکی تھی آنکھوں میں
اب بھی اُس کا نشان باقی ہے

رنگ ہیں حیرتوں بھرے میرے
کیا ابھی مجھ میں جان باقی ہے؟

ڈوب جاتا ہے ہر خیال مگر
مہکی آنکھوں کا دھیان باقی ہے

160

جو سانسوں میں میری ابھی تک رواں ہے
سُلگتی ہوئی خواہشوں کا دھواں ہے

جو سنتا نہیں جو سمجھتا نہیں ہے
اُسے کچھ بھی کہنا مرا رائیگاں ہے

بھلے نرمیوں میں گِھرا ہے وہ لہجہ
مگر اجنبی اجنبی سی زباں ہے

تری آرزو نے جو بخشا ہے مجھ کو
وہی رنج لفظوں کی تہہ میں نہاں ہے

اُمیدِ وفا ہے، نہ ہی خواب، خواہش
نہ جانے وہ کیا ہے جو اب درمیاں ہے

مرے لفظ سارے تجھی سے عبارت
مری شاعری سب ترا ہی بیاں ہے

160 مرے بادباں کو جو رستہ دکھائے
نہ جانے کہاں وہ ستارہ نشاں ہے

جہاں پھول خوشبو مرے منتظر ہیں
پہنچ سے مری دور وہ آسماں ہے

پرندے بھی آتے نہیں ہیں یہاں پر
عجب وحشتوں میں گھرا یہ مکاں ہے

ابھی تک نہیں کھل سکا میرے اندر
وہ موسم کہاں ہے جو عنبر فشاں ہے

جو لہجے میں تیرے کھنک تھی چھنک تھی
بتا کچھ تو ناہیدؔ وہ اب کہاں ہے

160

اُس کے حصارِ خواب کو مت کربِ ذات کر
اُس خوشبوئے خیال کو تُو کائنات کر

دل کب تلک جدائی کی شامیں منائے گا
میری طرف کبھی تو نسیمِ حیات کر

مَیں اک طویل راستے پر ہوں کھڑی ہوئی

یا حبسِ تیرگی لے یا ہاتھوں میں ہات کر

دھیمے سُروں میں چھیڑ کے پھر سازِ زندگی
تُو میرے لہجے میں بھی کبھی مجھ سے بات کر

وہ ہجرتیں ہوں، ہجر ہو یا قصۂ وصال
آ پھر سے میرے نام سبھی واقعات کر

پیروں سے اُس کے نام کے رستے لپٹ گئے
اب تو یقیں کے شہر میں ناہیدؔ رات کر

تجھ کو اپنی ذات سے آگے رکھوں
اپنی ہر اک بات سے آگے رکھوں

روشنی ہی روشنی ہو دور تک
نقش تیرے رات سے آگے رکھوں

خواہشِ یلجالی ہے بس، بس لو میں
حدّ اِمکانات سے آگے رکھوں

جن گھٹاؤں کو برسنا ہی نہیں
اُن کو بھی برسات سے آگے رکھوں

ہیں دھندلکے ہی دھندلکے چار سُو
اور نظر حالات سے آگے رکھوں

160

اَبھی تو روح میں تیرا ظہور ہونا ہے
مرے وجود کو تیرا شعور ہونا ہے

اَبھی تو دھوپ بہت کچّی ہے مرے ہم راز
اَبھی تو کُھل کے مرے گِرد نور ہونا ہے

ابھی تو تم سے یہ کہنا ہے کہ محبت ہے
مگر یقین ہے اس نے ضرور ہونا ہے

بس مدارِ خواب میں رہنا پڑا
عمر بھر ہی آب میں رہنا پڑا

شام تھی میرا حوالہ سو مجھے
منظرِ شب تاب میں رہنا پڑا

تیری جانب موڑ کر راہیں سبھی
قَریۂ بیتاب میں رہنا پڑا

خواہشِ بے نام کی صورت ہمیں
اک ادھورے باب میں رہنا پڑا

کوئی تھا مجھ میں ہی مجھ سے ہمکلام
اُس کی آب و تاب میں رہنا پڑا

160

○

ہوا میں اُڑتے ہوئے بادباں نہیں گزرے
برستے بادلوں کے کارواں نہیں گزرے

مَیں جن کی آنکھوں میں سب اپنے خواب رکھ دیتی

مری نگاہ سے وہ مہرباں نہیں گزرے

محبتوں کے سفر میں یہ کون کہتا ہے
کہ دشتِ چشم سے آبِ رواں نہیں گزرے

جہاں بھی چاہے اُڑا کر مجھے وہ لے جائے
صدا کی لہر سے ایسے گماں نہیں گزرے

وہ بد گمانی کی پرچھائیوں میں رہتا ہے
اُدھر یقیں کے کبھی سائباں نہیں گزرے

گِیلی چُپ سے اب رہا ہونا تو ہے
کچھ نہ کچھ ردِ بلا ہونا تو ہے

[illegible]
تیرگی کا اک خلا ہونا تو ہے

دل اُمیدوں کا کٹورا ہے کوئی
تیری چاہت سے بھرا ہونا تو ہے

زندگی کے ہجر پنّوں پر کہیں
وصل وعدہ بھی لکھا ہونا تو ہے

تُو نہیں تو میں سہی اس قصّے میں
اب کسی کو بے وفا ہونا تو ہے

نظمیں

ہمیں اُن موسموں میں زندہ رہنا ہے

تری سانسوں کی خوشبو پر
جہاں چاہت کی تتلی رقص کرتی ہو

طلب کی بارشوں میں بھیگتے

سرسبز موسم راہ تکتے ہوں

جہاں پر خواہشوں کا شور

من میں گونجتا ہو اور

سنہرے موسموں کی داستاں میں

کچھ یقیں، کچھ بے یقینی ہو

جہاں سانسوں پہ لکھے حرف

تیری بات کرتے ہوں

(نظر میں رات کرتے ہوں)

جہاں لمحے ترے دستِ ہنر میں ساتھ رکھے ہوں

ہمیں تُو ہی بناتا ہو، مٹاتا ہو

ہمیں اُن موسموں میں زندہ رہنا ہے۔

دو شعر

مزاجِ ہم سفری جانتا نہیں ہے وہ
مگر یہ بات کبھی مانتا نہیں ہے وہ

حصار کھینچ رہا ہے عبث وہ میرے گرد
مجھے وہ کھو چکا ہے جانتا نہیں ہے وہ

مجھے خود سے ملنا ہے

بے سود لمحوں سے باہر نکلنا ہے
لیکن مرا چہرہ اور ہاتھ
سوکھے دنوں کی مہک سے اٹے ہیں
(مہک، گزرے برسوں کے بے سود لمحوں کی سوکھی مہک)
آنکھ کی پتلیوں پر
کئی مُردہ وعدے رکھے ہیں
کئی زرد یادیں پڑی ہیں
مجھے اپنے چہرے سے، آنکھوں سے
ان زرد یادوں کی
سوکھی مہک کو کھرچنا ہے
بے سود لمحوں سے باہر نکل کر
مجھے خود سے ملنا ہے
سوکھی رُتوں سے پرے
پھر سے اک بار، اک بار پھر سے۔

ایک شعر

زرد سے سبز ہو رہا ہے دل
اک نیا رنگ بو رہا ہے دل

ہم جو تجھ کو ہمیشہ سرِ آئینہ رکھتے تھے
اور خود کو پسِ عکس
تو آج بھی ہم کہیں
کاسۂ شام میں رکھے ہیں
اور تُو
دن کے روشن اُجالوں میں ہے۔

کسی درد موسم کی تلخی میں
پلکوں سے لپٹے ہوئے خواب کھولے
تو آنکھوں کی دہلیز پر
میرے جذبوں کی
دھیمی سلگتی ہوئی راکھ تھی۔

160

ایک شعر

یہ انتظار فقط جسم ہی نہیں ڈھاتا
یہ سبز روح کو بھی پائمال کرتا ہے

160

U-Turn

تجھ تلک آنے کی چاہ میں
خود سے باہر نکلتے ہیں
لیکن کوئی دھند سی دھند ہے
رستہ کھو جاتا ہے
(کچھ دکھائی نہیں دیتا)
ہم تجھ تلک آنے کی چاہ میں
خود میں واپس پلٹ آتے ہیں۔

160

ایک شعر

ہجر سے نکلو گے تو وصل بھی دیکھو گے پھر
روح میں اُترو گے تو اصل بھی دیکھو گے پھر

160

شکستہ آئینہ

سرِ شیشۂ جاں
فقط بے یقینی کے منظر رکھے ہیں
جہاں دور تک
وہم و بے اعتباری کی
خستہ لکیروں کا اک جال پھیلا ہُوا ہے

بھلا اس شکستہ خیال آئینے میں
تعلق کا سچ کیسے تصویر ہو
اور مرا عکس تعمیر ہو؟

92

160

ایک شعر

بِن ترے وقت ہی گزرتا ہے
بِن ترے زندگی نہیں ہوتی

160

تیرے بِن

صبح کی نبض بھی سرد ہے
شام کے ہاتھ بھی خالی ہیں
کاسہِ زیست میں
چند لمحے مگر باقی ہیں
جو مجھے جینا ہیں
اور اس جینے کے درمیاں
کتنی یادیں ہیں
جن کو مٹانا ہے
کتنے ہی چہرے ہیں، جن کو بھلانا ہے

اور اپنے اندر اُمڈتی سردسی بے حسی کو
نیا نام بھی دینا ہے
تیرے آنے تلک
تیرا حدّت بھرا لمس محسوس کرنے تلک
مجھ کو کچھ دیر اور جینا ہے۔

ایک شعر

مَیں ہوں کہ دل کو سُلائے رکھتی ہوں
دل ہے کہ مجھ کو جگائے رکھتا ہے

160

اعتراف

نئے وعدوں کی شبنم
ہاتھ پر کیسے ٹھہر پاتی
ابھی پھیکی ہتھیلی پر
پرانی قربتوں کی کچھ
تپش باقی ہے!

96

160

ایک شعر

ابھی تو راکھ ہوئے ہیں ترے فراق میں ہم
ابھی ہمارے بکھرنے کا کھیل باقی ہے

97

160

رائیگانی

ریشمی خوشبو بھرے
مدھم اُجالوں میں گھرے
لمحوں کا رستہ تکتے تکتے
کتنے ہی سرسبز موسم
بے سبب مرجاتے ہیں
اور اپنے ہاتھوں سے پھسل جاتے ہیں۔

98

160

ایک شعر

روح کی روشنی تری صورت
تجھ کو دیکھوں تو زندگی دیکھوں

160 مَیں تجھے محسوس کرنا چاہتی ہوں

مجھ کو اپنے آپ سے بچھڑے ہوئے
کتنے زمانے ہو گئے ہیں

سُرمئی شاموں کے پہرے میں
طلب کی ریت پر تنہائی ننگے پاؤں چلتی ہے
تو میرا دل وصالِ معنی سے بچھڑے ہوئے
اک حرفِ تنہا کی طرح بجھ جاتا ہے

جب رات میری ہر سحر سے
نرم سی سر گوشیاں کرتی ہے
تو کوئی بھی اک لبریز لمحہ
میرے ہاتھوں میں نہیں آتا

نہ کوئی لمس ماتھے پر
مرے احوال کی تحریر لکھتا ہے
یہی ہوتا ہے
میری آرزو کے سب سرے

100

160

حسرت کی تاروں میں اُلجھ کر
میرے اندر سانس تو لیتے ہیں
لیکن تیرے دل سے میرے دل تک
فاصلوں کی وہ جو
اک دیوار حائل ہے
ہمارے درمیاں
موجود رہتی ہے
وہ تنہائی
وہ برسوں کی خموشی
(جو گماں کی دھند میں لپٹی ہوئی ہے)
ساتھ چلتی رہتی ہے

ن دلِ خاموش اب سے لگا ہے
اس سے پہلے لاتعلق اور لمبی تلخیوں کی
یہ کہانی میرے اندر ہی کہیں پر دفن ہو جائے
یہ میری خامشی دیمک کی صورت
زندگی کو چاٹ جائے

مَیں یقیں کے ساتھ
تجھ کو اور تیری روح کو
محسوس کرنا چاہتی ہوں
رات دن خوشبو کی مانند
تیری چاہت اور سنگت میں مہکنا چاہتی ہوں۔

102

160

ایک شعر

اپنی اذیّتوں کی حقیقت ہے اور کچھ
جو لوگ جانتے ہیں کہانی کچھ اور ہے

160

ایک سوچ

یہ بھی کرنا ہے
وہ بھی کرنا ہے
اِسے بھی منانا ہے
اور اُسے بھی منانا ہے

یہ بھی کرنے میں
وہ بھی کرنے میں
اِسے بھی منانے میں
اور اُسے بھی منانے میں

یہ تو بھول ہی گئی ہوں
کہ مَیں بھی وجود رکھتی ہوں

سوچتی ہوں
اگر کسی سے مَیں روٹھ جاؤں
تو مجھ کو کون منائے گا؟

104

160

ایک شعر

یہ زندگی کا ادھورا پن ہی
مری مکمل گواہی ٹھہری

160

بدنصیبی

مَیں خسارے میں ہوں
مجھ کو اپنے خدا سے کبھی
مانگنا ہی نہیں آ سکا
خواہشوں کو
دُعاؤں کی تسبیح میں
ڈھالنا ہی نہیں آ سکا۔

106

160

ایک شعر

بہت سمجھ کر بہت سوچ کر اُسے چھوڑا

نکھر ہی جب نہ سکیں تو رفاقتیں کیسی

بند دروازے

سال ہا سال سے بند دروازے
اک ہلکی دستک پہ
آسانی سے کب کُھلا کرتے ہیں
اور اگر کُھل بھی جائیں
تو پھر زنگ آلود یہ طاقچے
اک عجب شور کرتے ہیں

اور خاموشی میں کوئی شور ہو

وہ بہت دُور تک جاتا ہے۔

108

160

ایک شعر

روشنی آنکھوں میں آئی تو دکھائی بھی دیا
اک سمندر نور کا مجھ کو سنائی بھی دیا

احساسِ زندگی

کیوں نہ دھندلی رات کے
برفیلے سناٹے میں مہکی
خوشبوئیں چُھو کر
سسکتی رات کے ماتھے پہ
کچھ پل شبنمی رکھ دیں

اُداسی میں گھرے
ان منظروں میں
ریشمی خوشبو بھرا
مدہم اُجالا بھر دیں

اس حیران سی پھرتی ہَوا کو
اپنی بانہوں میں سمیٹیں
بادلوں کے ساتھ

اونچا اور بہت اونچا اُڑیں
دل میں رکھی ہر بات کو
دل سے نکالیں
دل ہی میں پیوست کر دیں
اور اپنے ہونے کے احساس کو ہم
روح میں تحلیل کر دیں۔

111

160

ایک شعر

اُسے چھوڑنا کوئی مشکل نہیں ہے
مگر حوصلے کی کہیں پر کمی ہے

خواب سے گفتگو

مرے خواب مجھ سے
کبھی بات کر

میرے تالو سے چپکے ہوئے سارے الفاظ پڑھ
جو کبھی تجھ سے مَیں کہہ نہ پائی

مرے خواب
تُو میری تکمیل کر
کوئی جگنو، محبت، دعا بن کے تعبیر میں ڈھل
کسی لمس کا کوئی مرہم مری روح کے گھاؤ پر رکھ

نہیں تو
شب و روز کا کھوکھلا سلسلہ ختم کر
جہاں پھیلی تنہائی کی آگ میں
روح کو یوں نہ جلنا پڑے
دکھ کی لہروں کے پھیلے ہوئے جال میں
پاؤں اپنا نہ دھرنا پڑے۔

ایک شعر

دیر تک سوچا تو پھر جا کر کہیں
مجھ سے تیری یاد کا چہرہ بنا

اس راستے کی کوئی منزل نہیں

مرے دل
یہ کس رستے پر گامزن ہو

یہ کن دردوں کی آگ کو
سینکتے رہتے ہو؟
کالی بوسیدہ خاموشی کے
خشک لمحوں سے کیا بنتے رہتے ہو؟
بے چہرہ گھڑیوں میں
کیا ڈھونڈتے رہتے ہو؟

اے مرے دل
نئی منزلوں کے نئے راستوں پر
سیہ، زرد خوابوں کی پگڈنڈیاں ہیں
(بڑی گہری تاریکیاں ہیں)
وہاں پر ہَوا تو گرہیں تک نہیں کھولتی ہے
(نہ ہی روح کی کرچیاں جوڑتی ہے)

وہاں زرد صبحیں ہیں
اور سرد شامیں
وہاں گفتگو میں

کوئی بات پوری نہیں ہونے پاتی
وہاں پر جدائی
محبت کے رستے میں بیٹھی ہوئی ہے۔

ایک شعر

کہوں تو کس سے کہوں مَیں جدائیوں کے دکھ
سُنے تو کون سُنے نارسائیوں کے دکھ

جو تیرے ہونٹوں سے نکلی نہیں ہے
جو میری سماعت سے گزری نہیں ہے
وہ بے لفظ سی بات
بے چہرہ آواز
میری سماعت کے رستے
مری روح کے آئینے میں اُتر کر
قبائے بدن کی ہر اک تار کو
احمریں کرتی ہے
اب ترے لہجے کا بھاری پن
لحہ لحہ مرے ساتھ رہتا ہے۔

ایک شعر

کڑی دھوپ میں مجھ کو جلنے نہ دے گا
مرے ماتھے پر ماں کے ہونٹوں کا نم ہے

گول کمرہ
ہر طرف دروازے
سب دروازے لیکن بند۔

(8 اکتوبر 2005)

ہر اک کی زباں پر یہی داستاں ہے
یہاں پر جو گھر تھا مرا وہ کہاں ہے

سرکنے لگی ہے ہَوا بھی زمیں بھی
نہ گھر ہے نہ سر پر کوئی سائباں ہے

جنہیں بوجھ بھی بوجھ لگتا نہیں تھا
ہوا کا اُنہیں وزن بھی اب گراں ہے

کہیں آنکھ میں وقت رُک سا گیا ہے
کہیں ہاتھ پر بے بسی کا نشاں ہے

کہیں جسم کی راکھ اُڑنے لگی ہے
کہیں روح سے خالی دل کا مکاں ہے

160

کہیں بچّہ رو رو بلاتا ہے ماں کو
کہیں سسکیوں میں گھری اُس کی ماں ہے

کہیں موت کے منہ میں بیٹی پڑی ہے
کہیں گھر کے ملبے میں بیٹا جواں ہے

جسے پیار سے ماں سجاتی رہی تھی
اُسی گھر کے ملبے پہ آہ و فغاں ہے

اب آنکھوں کے دریا اُترتے نہیں ہیں
اب آنکھوں میں غم کا سمندر نہاں ہے

جہاں زندگی کی ہنسی گونجتی تھی
وہاں ہر طرف سسکیوں کا دھواں ہے

خداوند تُو نے یہ کیا کر دیا ہے
کہ حیران اب تک زمیں آسماں ہے

سیلاب

(اگست 2010)

لمحہ لمحہ یہ ٹوٹتے ہوئے لوگ
خود کو مٹی میں رولتے ہوئے لوگ

گھر کے ملبے پہ بیٹھے رو رہے ہیں
اپنے خوابوں کو ڈھونڈتے ہوئے لوگ

جو بچا لیں وہی غنیمت ہے
ساز و ساماں گھسیٹتے ہوئے لوگ

اپنے گھر اپنے خواب چھوڑ آئے
اپنی خوشیوں کو مارتے ہوئے لوگ

کس طرح خود کو اب سمیٹیں گے
زندگی کو پکارتے ہوئے لوگ

160

کیا ہو پائیں گے ہم بحال کبھی
ایک اک سے یہ پوچھتے ہوئے لوگ

کچھ بتاؤ کہاں کریں تدفین
حکمرانوں سے پوچھتے ہوئے لوگ

160

چار سالہ بچی اپنی ماں سے

(اگست 2010 سیلاب کے بعد)

کیا ہُوا
اب کے جو گھر نہیں
چار دیواری، آنگن نہیں
میرا بھائی نہیں ، میرا بابا نہیں۔
کیا ہُوا جو اگر
بھائی اور بابا کے ساتھ سب
خواب بھی بہہ گئے۔
کیا ہُوا
اب کے جو عید پر
ہم نئے کپڑوں سے
اور کھلونوں سے محروم ہیں
کیوں ہمارے لیے روتی ہو
کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ابھی
تم سلامت ہو، ماں۔

160

تعلیمِ قرآن

ضروری ہے تعلیم قرآن کی
مسلمان کے نفسِ ایمان کی

یہ سیکھو اور اس پر عمل بھی کرو
قدم زندگی میں جہاں تم رکھو

ہو مشکل تو اس سے کرو رابطہ
دکھائے گا قرآن پھر راستہ

دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاؤ جو تم
جو مانگو خدا سے وہی پاؤ تم

تمہارے لیے ہے ہماری دعا
کہ ہنستی رہو، خوش رہو تم سدا

160

ابھی تم ہو چھوٹی مگر جان لو
شفا پاؤ گی پڑھ کے یہ، مان لو

کہ پاؤ گی منزل کا ہر رستہ تم
رہو گی جو اللہ سے وابستہ تم

(نسیبہ اپنی بھتیجی کی بسم اللہ پر، 6 مارچ 2010)

160

ملالہ

علم کے نور کی مالا ہوں میں
روشنی ہوں مَیں اُجالا ہوں میں
جتنی نفرت سے مجھے کاٹو گے
جتنے حصّوں میں مجھے بانٹو گے
زندگی کا مَیں ارادہ بن کر
پھر اندھیروں سے نکل آؤں گی

علم کے نور کی مالا ہوں میں
روشنی ہوں مَیں اُجالا ہوں میں

اے میرے خواب سے ڈرنے والو
جاہلو، علم کے ادراک پہ کیوں
اک قیامت سی اُٹھا لی گئی ہے
میری خواہش تو فقط اتنی ہے

کہ مرے دیس کی ہر اک بچّی
خود کو جب آئینے میں دیکھے تو
اک نئی صبح کا سورج دیکھے
اپنی تعبیر کا چہرہ دیکھے

اے میرے خواب سے ڈرنے والو
کیسے نفرت سے مجھے کاٹو گے؟
کتنے حصّوں میں مجھے بانٹو گے؟
میرا سورج جو اگر ڈوب گیا
تو کئی چاند نکل آئیں گے

علم کے نور کی مالا ہوں میں
روشنی ہوں مَیں اُجالا ہوں میں
موت کے منہ سے پلٹ آئی ہوں
یاد رکھنا کہ ملالہ ہوں میں

ماں

میرے پیکر میں یوں بسی ہے ماں
آئینے میں مجھے دِکھی ہے ماں

خوبصورت، حسین اور شفّاف
تیرے جیسی تو چاندنی ہے ماں

کوئی بھی حال آشنا نہیں ہے
اور ضرورت تری کڑی ہے ماں

شبنمی کچھ دعائیں بھجوا دو
روح میں آگ سی لگی ہے ماں

تُو نہیں ہے تو میری آنکھوں میں
دھند ہی دھند آ بسی ہے ماں

160

دیکھ مُرجھا گئی ہوں تیرے بعد
یہ جدائی تری کڑی ہے ماں

آخری وقت کیوں نہ تھی ترے پاس
یہ خلش دل کو مارتی ہے ماں

131

160

ایک شعر

میرے آنسو میرے دل میں گر رہے تھے
اور آنچل ماں کا گیلا ہو رہا تھا

132

160

گِیلی چُپ

بے رنگ صبح کے کٹورے
بے معنی چُپ سے بھرے ہیں

تنہائی کے دائروں سے جھانکتی
وصل کے گماں سے عاری
گیلی چُپ کے کٹوروں میں
اوندھی پڑی، تیرتی نمی
ہونٹوں سے چننے والا کوئی نہیں

سُرمئی مناظر کی آنکھیں
گلابی صبح کے اُجالے کو ترستی ہیں

نادیدہ خوابوں کے مُردہ پر
بوجھل آنکھوں کی پُتلیوں سے چمٹے ہیں
اُجالوں کی آہٹیں

سماعتوں پر اُتریں بھی
مگر صبح کا آئینہ
گیلی چُپ کے کُہرے سے اٹا ہے
سورج کی حدّت پی کر بھی
اُجالا دھندلکوں میں گھرا ہے
نادیدہ وجود کا آسیب
گیلی چُپ کا سایہ
روح کی خستہ دیواروں سے چمٹا ہے
اور فرار ممکن ہی نہیں۔

134

160

ایک شعر

تیرے بارے میں سوچتی ہوں جب
روشنی ہم کلام ہوتی ہے

135

160

مضامین

ناہید ورک کی شاعری کا احساس

ایک رنگ ساز کا سایہ ہے اس شاعرہ پر تبھی تو یہ اپنی شاعری میں رنگوں کا ذکر بہت محبت اور پورے معانی ومطالب سے کرتی ہے۔ رنگوں میں نہاتی ہوئی اس شاعرہ سے کہیں نہ کہیں میری ملاقات ہے مگر مجھے یاد نہیں تھا، ہاں جب شاعری کا مطالعہ کیا تو معلوم ہُوا کہ سات رنگوں میں سے تین رنگ پسند کرنے والی یہ شاعرہ اس لمحے ضرور کہیں میرے اردگرد ہوگی جب رنگساز کی اس بستی میں، میں اپنے ہونے کے رنگ چُن رہا تھا۔ محترمہ ناہید ورک بڑے سادہ سے لہجے میں یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں

آئینہ روٹھتا گیا مجھ سے
اور وہ میرے خدوخال میں گم

یہ ہے وہ ابتدا جو کسی کسی کے حصے میں آتی ہے۔

''گیلی چُپ'' چھپنے کے بعد مجھے بہت دلچسپی محسوس ہوئی کہ ناہید ورک کی گیلی چپ کو محسوس کیا جائے اور دیکھا جائے کہ خاموشی جذبوں کے گھنگھرو پہنے کیسے دھمال کھیلتی ہے۔ دھمال کوئی فن نہیں ہے یہ تو ایک مستی ہے جو محبوب

کے رنگوں میں ڈوبنے سے پتا جاتی ہے۔ دھمال ہجر کی ہو تو پھر خاک بن جاتے ہیں اور اگر وصال کی ہو تو کائنات کا ذرّہ ذرّہ وجد میں آجاتا ہے۔ ان دونوں کیفیات کا اظہار ناہید صاحبہ ایسے کرتی ہیں

ابھی تو راکھ ہوئے ہیں ترے فراق میں ہم
ابھی ہمارے بکھرنے کا کھیل باقی ہے

ہجر سے نکلو گے تو وصل بھی دیکھو گے پھر
روح میں اُترو گے تو اصل بھی دیکھو گے پھر

جب ہم کسی شاعر کی کتاب پڑھتے ہیں اور اُس کی ان کیفیات کو محسوس کرتے ہیں جو اس پر گزرتی ہوں گی تو ہمارے سامنے شاعری کہانی کی طرح کھلتی جاتی ہے۔ میں نے بھی آج کہانی پڑھی ہے ایک ایسے محبت بھرے

صحن کی کہانی جس میں کہیں بھی کوئی جھول محسوس نہیں ہوتا، ہر کردار اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہے، ہر جملہ برجستہ ہے اور ہر سانس کسی نہ کسی یاد سے وابستہ ہے۔ بنیادی طور پر ناہید ورک کی تمام شاعری کا تیور کسی نہ کسی یاد سے وابستہ ہے۔ وہ اپنے اردگرد رہنے والے لوگوں کے دکھ خود پر محسوس کرتی دکھائی دیتی ہیں لیکن بہت جلد وہ واپس اپنے صحن میں لوٹ آتی ہیں۔ ایسا وہ کرتی نہیں بلکہ وہ سمجھتی ہیں کہ وہ ہیں ہی ایسی، یہی وہ یقین ہے جو انہیں سرسبز رکھے ہوئے ہے

زرد سے سبز ہو رہا ہے دل
اک نیا رنگ بو رہا ہے دل

یہی وہ ایمان ہے جس کی پختگی کی وہ دلیل دینا پسند نہیں کرتیں بلکہ کہتی ہیں

ادھر اُدھر سے دلیلیں اُٹھانی پڑ جائیں
جو اتنا کچا ہو ایمان تھوڑی ہوتا ہے

شاعری کا احساس بہت پُرکیف ہوتا ہے اس سے روح کو طاقت ملتی ہے کیونکہ لطف کا تعلق تو ہے ہی لطافت کے

ساتھ۔ مجھے ناہید ورک کے اس شعر نے بہت لطف دیا

جھیل آنکھیں سراہنے والا

ان کو دریا بنا گیا تو پھر

مجھے تو اس شعر میں ناہید ورک کسی کو سمجھاتی ہوئی نظر آ رہی ہیں کہ کسی پر اعتبار مت کرنا لیکن تھوڑی دیر بعد جب دریا اور جھیل کو سوچتا ہُوا ذہن آنکھوں اور آنسوؤں کے بہنے کو سوچتا ہے اور تلازمہ مکمل ہوتے ہی ہجر بھری محبت کا دکھ محسوس ہوتا ہے تو ایک عجیب سی اُداسی چھا جاتی ہے، اس شعر کا احساس بہت گہرا ہے۔ ہم لوگ محبت کو سوچنے اور اس کے فلسفے کو سمجھنے میں عمر گزار دیتے ہیں اور کچھ دیوانے بہت جلد محبت کے احساس کی وادیوں میں پہنچ جاتے ہیں اور ان تمام مقامات کا نظارا کر لیتے ہیں جن تک عقل کی رسائی نہیں ہوتی یہی محبت کی کاملیت ہے۔ یہاں پہنچ کر انسان من و تُو سے نکل جاتا ہے اور اس کی تنہائی ختم ہو جاتی ہے یہاں پر وصال ہجر کی لذتوں سمیت جسم و روح کی

گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے اور بانسری کی طرح سانس کو سُر بنا دیتا ہے تب عاشق فطرت کے نغمے کا سازندہ بن جاتا ہے، وہ فطرت کے ساتھ ساتھ گاتا ہے، تب وہ نہیں گاتا بلکہ فطرت گا رہی ہوتی ہے، تب کہیں کہیں وہ فطرت کے سُر بھی درست کرنے لگتا ہے یہی وہ ترتیب ہے جو ہمیں ناہید ورک کی شاعری میں نظر آتی ہے

روشنی آنکھوں میں آئی تو دکھائی بھی دیا

اک سمندر نور کا مجھ کو سنائی بھی دیا

کوئی تھا مجھ میں ہی مجھ سے ہم کلام

اُس کی آب و تاب میں رہنا پڑا

ناہید ورک کی شعری ترتیب میں صوفیا کرام کا فیض نمایاں طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ رنگوں سے کھیلتی ہوئی یہ خاتون کہیں بغاوت کرتی دکھائی نہیں دیتی بلکہ ہر جگہ بتا رہی ہوتی ہے کہ میں تسلیم و رضا سے جڑی ہوں۔ ناہید اپنے مسائل خود حل کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ شاید وہ اپنی تنہائی کے بھید کو سمجھ چکی ہیں اور اپنی تنہائی کے ساتھ

چکی ہیں جس کا اظہار ان کی نظموں میں ملتا ہے۔ چند سطور پیش ہیں

نظم بدنصیبی

مجھ کو اپنے خدا سے کبھی مانگنا ہی نہیں آ سکا
خواہشوں کو دعاؤں کی تسبیح میں ڈھالنا ہی نہیں آ سکا۔

نظم خواب سے گفتگو

میرے تالُو سے چپکے ہوئے سارے الفاظ پڑھ
جو کبھی تجھ سے میں کہہ نہ پائی

ناہید ورک کی شاعری میں اس جہانِ خراب کی ہی باتیں نہیں بلکہ اس جہان سے آگے بھی وہ نگاہ رکھتی ہیں۔ اس

بات کا اندازہ ان کے اس شعر سے لگایا جاسکتا ہے

میں تیری دوری و قربت سے آگے آ گئی ہوں
سو تیرا نقش دل پر بنتے بنتے رہ گیا ہے

یہ وہ کیفیت ہے جو ظاہر کی آنکھ سے نظر آنے والے جہان کی ہے ہی نہیں۔ ظاہر تو یہاں تک سوچتا ہے

وہ جو حاصل ہے اور میرا ہے
کاش ہوتا کبھی میسّر بھی

میں ناہید ورک کی شاعری کو محسوس کرنا چاہتا ہوں اس شاعری کو بھی جس کا مطالعہ میں کر چُکا ہوں اور آنے والی شاعری کو بھی۔ کیونکہ اس کہانی سے ایک اور کہانی کا آغاز ہوتا محسوس ہو رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک ناہید ورک کی سوچ میں مزید برکت عطا فرمائے۔

محمد ندیم بھابھہ (لاہور)

140

160

ناہیداورفقر

مرے خدا
ہے مجھے اعترافِ کم علمی
حدودِ عقل میں آتا نہیں خیال کوئی
مجھے وہ علم عطا کر، کہ تجھ کو ڈھونڈ سکوں

بی بی رابعہ بصری فرماتی ہیں "جو کوئی بھی دل لگاتا ہے وہ فرمانبردار ہوجاتا ہے"

ایک ذاتی تجربہ ہے اور اس سے نظریاتی اختلاف بھی رکھا جاسکتا ہے کہ محبت ایک ایسا عمل ہے جس کا کوئی ردعمل نہیں ہوتا ہے۔

ناہید۔۔۔ مجھے آسمان کی اس سطح پہ ملی جہاں قبول شدہ دعائیں پڑیں ہوتی ہیں۔ جہاں باطن کا سفر کئی رنگوں سے

ہوتا ہوا بے رنگ ہو جاتا ہے۔ میری اکثر اس سے ملاقات ہمارے کمرے میں رات کے آخری پہر اور نئے دن کے پہلے پہر کے وسط میں ہوتی۔ اس ملاقات میں ہر بار ناہید کا مجھ سے یہی سوال ہوتا کہ تم سوتے نہیں ہو کیا۔ تو میں ناہید سے ہمیشہ یہی کہتا کہ میں خدا کا مزدور ہوں۔ لوگ جب نیند کے سفر پہ نکلتے ہیں تو میں سرِ راہ خواب کی دکانیں سجا کے بیٹھ جاتا ہوں۔ کسی کو اس کی مرضی کا اور کسی کو اپنی مرضی کا خواب تھما دیتا ہوں۔ ناہید مسکراتی اور کہتی کہ تم لفظوں کے کاریگر ہو، یقیناً کچھ ایسا ہی ہے،

مگر صبح کا آئینہ
گیلی چُپ کے کہرے سے اٹا ہے
سورج کی حدّت پی کر بھی
اجالا دھندلکوں میں گھرا ہے
نادیدہ وجود کا آسیب، گیلی چپ کا سایہ
روح کی خستہ دیواروں سے چمٹا ہے
اور فرار ممکن ہی نہیں۔

کاریگر تو ناہید بھی ہے۔ اس کے ہاں فنا کی ایک ایسی راہ داری ہے جو کبھی ختم ہوتی ہی نہیں۔ یہ باطن کے ارتقا سے مکمل فیض یاب ہے لیکن پھر بھی نفی کی اس خطرناک سطح پہ کھڑی ہے جہاں باقی صرف ایک ذات ہی رہ جاتی ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ انتظار کئی حیرتوں کو بحال رکھتا ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ فقیر کو انتظاری کیفیت سے نکل کر صابر ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ انتظار جب تک ہے وہ نتیجہ طلب کرتا رہے گا۔

شاعرہ، پانی پہ تیرتے اس وجود سے بھرپور واقف ہے جس کے ایک لمس سے ہم ایک دوسرے کو دیکھ پاتے ہیں۔ اس نے خیال کو نئی خفی تہوں سے گزارا اور پھر شعر کی صورت دی۔ کبھی خود سے کلام کیا، کبھی خود کو جھٹک دیا۔ ناہید کبھی روایتی خواتین شاعرات کی طرح سوگ مناتی، آنکھوں کو سُرخ کرتی اور لہجے کو بے زار کرتی ہوئی نظر نہیں آئے گی۔ اس نے ہمیشہ اپنی توانا روح کو سنبھالے رکھا اور خوش اسلوبی سے مکالمہ کیا۔

ضبط ہونٹوں پہ آ گیا تو پھر
تیرا سب حوصلہ گیا تو پھر
سالہا سال کا اکیلا پن
تجھ کو اندر سے کھا گیا تو پھر
اپنے سب لفظ دے دیئے اس کو
اب وہی بولتا گیا تو پھر

خواہش کی تکمیل انسان کو اندر سے اور بھی مضبوط کر دیتی ہے مگر اس خواہش کا غیر مکمل رہنا، لامحدود سفر کی طرف روانہ کر دیتا ہے۔ شاعر ہمیشہ ایسے جہانوں کی بات کرتا ہے جو عقل اور دانست سے باہر ضرور لگتے ہیں مگر اجنبیت کا تاثر نہیں دیتے۔ ناہید بھی کچھ ایسے ہی جہانوں کی سفیر ہے۔ یہ ہمیں ان دیکھے جزیروں کی سیر کرواتی ہے۔ دھند میں لپٹے ہوئے خوابوں سے لے کر، ترتیب سے گرتے ہوئے آبشاروں تک، سب اس کے باطن کی مکمل رسائی میں ہے۔ ناہید وہ ہے جو خود کو خواب دیکھتے ہوئے بھی دیکھ سکتی ہے۔

142

160

میں خسارے میں ہوں
مجھ کو اپنے خدا سے
کبھی مانگنا ہی نہیں آ سکا
خواہشوں کو دعاؤں کی تسبیح میں
ڈھالنا ہی نہیں آ سکا۔

ناہید کا اپنے خدا سے تعلق رُو برو کا ہے، جیسے یہ اسے چھو سکتی ہے۔ اور ایک بات تو یقینی ہے کہ اسے حاصل سے کوئی غرض نہیں۔ یہ مسلسل سفر کو ہی ریاضت اور عبادت سمجھتی ہے۔ ایک کارواں کی صورت آگے بڑھتی جاتی ہے۔ کوئی دکھ، کوئی ملال اس کی رفتار کو سست نہیں کر پاتا۔ جس پل اس کی سانس اُکھڑنے لگتی ہے یہ اسی ایک پل میں اپنے خدا سے اور بھی قریب ہو جاتی ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ اس کی [illegible] میں [illegible] آئے مگر اس راہ پہ [illegible] میں جہاں سب بلیک اینڈ وائٹ ہوجاتا ہے۔

میں خدائے عظیم کی بارگاہ میں یہ گزارش ہمیشہ کرتا رہوں گا کہ یہ اپنی کھوج میں صادق ہوکر اپنے رُوبرو آجائے۔

ناہید بہت خوش رہو۔

عماد اظہر (اسلام آباد)

محبت کی شاعرہ

محبت آنکھوں میں لکھی ہوئی آرزو کی طرح ہوتی ہے جو ماتھے پر بھی دمکتی دیکھی جاسکتی ہے۔محبت کی شاعری بھی اجالا ہوا کرتی ہے جو دلوں کو اجلا کرنے پر قادر ہوتی ہے، ایسی شاعری میں ہجر و وصال کے دکھ سکھ اور آس امیدوں کے دائرے دئیوں کی طرح جا بجا ٹمٹماتے دکھائی دیتے ہیں۔ایسی شاعری میں جدائی کے موسم بھی دلوں کو بنجر کرنے کی بجائے بہاروں کی امید دلاتے ہیں، سسکتی راتوں میں شبنمی اجالوں کی خوشبو یاد آتی ہے اور دل روشنی اور خوشبو میں لپٹا، بادلوں کے سنگ اڑنے لگتا ہے۔

ناہید ورک کی شاعری میں کچھ ایسی ہی کیفیات مختلف رنگوں کے ہمراہ منور نظر آتی ہیں۔اس کے شعر شعر اور سطر سطر میں، دیر تک روتی ہوئی آنکھوں کی کہانیاں بھی ہیں اور اس کے خیالوں میں ہجر کی اداس نشانیاں بھی۔۔۔اس کے

ہاں کچی نیند میں دیکھے خوابوں کی آہٹیں بھی ہیں اور فرقت کی سلوٹیں بھی۔۔۔وہ نظم کہتی ہے تو اس میں بیراگن کے گیت کی سسکیاں گونج اٹھتی ہیں اور غزل کہتی ہے تو دشتِ خیال میں خوابوں کے پھول کھلا کر پلکوں پر امیدوں کے دیئے روشن کر لیتی ہے۔میرے خیال میں، سچے تخلیق کار کی اولین نشانی بھی یہی ہوتی ہے کہ اس کی تخلیق میں اس کا باطن روشن دکھائی دیتا ہے، سچا تخلیق کار اپنے جذبوں اور احساسات کو تخلیق میں گوندھ کر اپنے آپ کو تخلیق کا حصہ بنا دیتا ہے۔ناہید ورک بھی ایسی ہی شاعرہ ہے جو اپنے اشعار میں سرمئی ہجر لپیٹے، سانس لیتی خوشبو میں سفر جاری رکھے ہوئے ہے، اس سفر میں تنہائی کے دکھ بھی ہیں اور آنے والے دنوں کے خوابوں کے روشن رنگ بھی۔۔۔جنھیں وہ چاندنی میں پرو کر دائرے بناتی نظر آتی ہے۔اس راہ پر زرد صبحوں اور سرد شاموں کی سرگوشیاں بھی ہیں اور دھواں بن کر سانسوں میں چبھنے والی خاموشیاں بھی۔۔۔اس کے اشعار میں محبت کی سرسراہٹ روشنی کی آہٹ کی طرح پڑھنے والے کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے اور قاری محسوس کرتا ہے جیسے وہ بھی ہجر اور پیاس کے صحراؤں میں آرزو کے ٹھنڈے چشمے کی تلاش میں سفر جاری رکھے ہوئے ہے اور بالآخر کسی خواب جزیرے میں پڑاؤ ڈال کر ایک عجیب سی سرشاری میں گم ہو جاتا ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ یہی سرشاری ناہید ورک کی شاعری ہے جو ماضی کی تلخیوں سے دور، مستقبل کے وسوسوں میں یقین اور گماں کے درمیان، دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ناہیدؔ ورک کے روشن احساسات وجذبات میں ڈھل گئی ہے۔

اخترؔ شمارؔ (لاہور)

160

خوبصورت لہجے کی شاعرہ

آج سے تقریباً ایک ماہ پہلے یہ خوبصورت کتاب 'گیلی چُپ' مجھے دستیاب ہوئی۔ سب سے پہلے تو اس کے پر کشش سرورق نے ہی مجھے متاثر کیا۔ دیکھیئے، یہ جو کتاب کا سرورق ہوتا ہے وہ دراصل آئینہ ہوتا ہے تخلیق کار کی شخصیت کا، اس کی سوچ کا۔ اب یہ منظر طلوعِ سحر کا منظر ہے جو اپنے اندر ایک معنویت رکھتا ہے اور ایک امید ایک آس کا پتہ دیتا ہے۔ جہاں تک ناہید کی شاعری کا تعلق ہے تو میں نے مشاعروں میں انہیں ایک کامیاب شاعرہ کی حثیت سے سُنا ہے! وہ نہ صرف یہ کہ مظبوط لہجے میں اپنی بات منواتی ہیں بلکہ سامعین پہ اپنے کلام اور

حصیت کا ایک خوشگوار تاثر بھی قائم کرتی ہیں۔

اہلِ قلم کی جو آرا یا جو تاثرات ان کی شاعری پر اس مجموعہء کلام میں شامل ہیں جیسا کہ اختر شمار نے انہیں محبت کی شاعرہ کہا یا سعود عثمانی نے ان کو صاحبِ دل شاعرہ کہا، ندا فاضلی اور نوشی گیلانی نے بھی ان کی شاعری پر بہت خوبصورت باتیں کیں تو ظاہر ہے کہ ان اہم اہلِ قلم سے ناہید کی شاعری کو پسندیدگی کی سند مل گئی۔

اب یہ جو عنوان ہے ' گیلی چپ' تو گویا شاعرہ نے دل ہی دل میں رسنے والے آنسوؤں کی زبانی اپنے دکھوں کو شاعری میں ڈھالا ہے۔ ناہید نے ان مانوس دکھوں کی تشہیر تو نہیں کی، چرچا بھی نہیں کیا بس بڑے سلیقے سے انہیں اشعار میں بیان کیا ہے اور اگر کچھ شکوہ بھی کیا تو بڑے نرم لہجے میں

میں اُس کی ذات میں شامل تھی اس کو مل جاتی

دعائے خیر سمجھ کر وہ مانگتا مجھ کو

کتنی خوبصورت بات کی ہے ناہید نے۔ خالصتاً نسوانی لہجے میں عورت کے تقدس کو اُجاگر کیا ہے کہ وہ کس طرح اپنی وفا اور قربانی سے مرد کی زندگی کو سجاتی سنوارتی ہے۔ اس دعائے خیر کی طرح کہ جو قبول ہو جائے تو زندگی جنت کا نمونہ بن جائے اور اگر طلب میں کھوٹ ہے تو بھلا بات کیسے بنے۔ ناہید کا ایک اور نمائندہ شعر۔

جہاں ریزہ ریزہ میں بکھری پڑی تھی

وہ منظر مجھے جوڑنا پڑ گیا ہے

145

بڑی وسعت ہے اس شعر میں، اگر آپ چاہیں تو کسی انسان کی ذاتی شکستگی سے بھی اس کو جوڑ سکتے ہیں اور اگر وسیع معنی میں لیں تو ہماری معاشرتی اور سماجی الجھنیں جن کو ہم روز سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں، ہمارا تہذیبی منظر نامہ جو بکھر گیا ہے اسکو سمیٹنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

160

ناہید کی غزلیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے انہوں نے اپنی غزلوں کو بیشک ایک مخصوص رومانوی رنگ میں تو رنگا ہے لیکن پھر بھی انہوں نے اپنے جدید طرزِ بیاں پر غزل کے کلاسکی حسن کو قربان نہیں کیا۔

یونہی دھندلائے رہیں عکسِ دل وجاں کب تک

میری پلکوں پہ رہیں اشک یہ لرزاں کب تک

غزلوں کے ساتھ ان کی نظمیں بھی بھرپور توجہ کی حق ہیں (رائیگانی، بند دروازے، احساسِ زندگی اور بدنصیبی) جیسی حسّاس نظمیں جو قاری کے ذہن ودل پر ایک گہرا اثر چھوڑتی ہیں۔ اس کتاب کی شکل میں شعروسخن کی راہ گزر پہ اس نے ایک جگمگاتا چراغ روشن کیا ہے۔ اس ذہین اور خوبصورت شاعرہ کے لیے میری اللہ تعالی سے یہی دعا ہے کہ اس کے فن کو بامِ عروج تک پہنچائے، آمین۔

مونا شہاب اپریل 2013 - بالٹی مور (امریکہ)

صاحبِ دل شاعرہ

عصرِ رواں اور قبیلہ، ہم عصر اں شاید انسانی تاریخ کے بدلتے منظروں کے عینی گواہوں کے طور پر موجود ہیں۔ عہدِ حاضر وہ عہد ہے جس نے فاصلے سمیٹ کر فاصلے پیدا کر دیئے ہیں۔ عہدِ حاضر وہ عہد ہے جس نے ذہن یکجا کر کے دل علیحدہ کر دیئے ہیں، ہمارا قبیلہ وہ قبیلہ ہے جس نے سمندروں، خلیجوں اور جزیروں کے فاصلے سمٹتے ہوئے دیکھے ہیں۔ ہماری نسل وہ نسل ہے جس نے بھائیوں، بہنوں، والدین اور اولاد کے دلوں کے درمیان برِّ اعظم، سمندر،

خلیجیں اور جزیرے حائل ہوتے دیکھے ہیں۔ اس عہد کی طرح یہ نسل بھی منفرد ہے جس نے ٹوٹتے دلوں اور جڑتے بندھنوں کے مناظر دیکھے ہیں اور اس صورتِ حال کا مشاہدہ اور دکھ کا درست تر احساس شاعر کے علاوہ کون کر سکتا ہے۔

ناہیدؔ ورک سے اب تک میری ملاقات انٹرنیٹ کے اسی ذریعے سے ہے جس نے فاصلے سمیٹ کر لوگوں کو اک گھرانے کا روپ دے دیا ہے۔ چند سال قبل اردو شاعری کے کسی فورم پر ان سے ملاقات ہوئی جہاں وہ غالبا منتظمہ کے طور پر رضا کارانہ خدمات انجام دیتی تھیں۔ اس وقت بھی ان کی جستجو، لگن اور سیکھنے کی خواہش بہت واضح اور متاثر کُن تھی۔ اور کسی مصرعے اور لفظ پر بحث کے دوران شائستگی اور جستجو کا عمدہ نمونہ پیش کرتی تھیں۔ میں اپنی کم توفیقی کے باعث اس فورم میں حاضری برقرار نہ رکھ سکا اور یہ رابطہ ٹوٹ گیا۔

کئی سال کے بعد ان سے پھر ملاقات ہوئی۔ اب کے یہ ملاقات انٹرنیٹ پر فیس بک پر تھی جسے میں ''کتاب چہرہ'' کہتا ہوں۔ اب ان کی غزلوں اور نظموں میں وہ فنی ارتقا بھی نمایاں تھا جو ان گزرتے ماہ و سال میں ان کی مضطرب طبیعت نے اختیار کیا تھا۔ شاعری کسی درخت کے پھل اور کسی فصل کی طرح ہوتی ہے۔ کسی پھل، کسی فصل میں مٹھاس، پختگی، لطافت اور لوگوں کے لیے قبولِ عام کی صفات کے لیے فطرت نے اس پر گرم و سرد موسم، تیز اور ہلکی بارش، کڑکتی دھوپ، اور دھڑ کتا ہُوا وقت گزرنے کی لازمی شرط رکھی ہے۔ یہ شرط مختلف لوگوں کے معاملے میں مختلف ہو سکتی ہے لیکن یہ شرط ختم نہیں ہوتی۔ ناہید ورک نے یہ شرط پوری کی ہے اور اگلے مرحلے کی طرف بڑھ آئی ہیں۔ بیج سے بار آور درخت کا مرحلہ۔۔ قاری سے صاحبِ کتاب بننے کا فیصلہ۔

ناہید کی غزلوں میں وہ کیفیت نمایاں ہے جسے ہم گداز دل سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاعری میں فنی ریاضت، قدرت

147

کلام، زبان و بیان پر عبور اور ذخیرہ الفاظ کی جو نا قابل تنسیخ اہمیت ہے اس سے انکار صرف وہ کر سکتے ہیں جو اس معاملے میں خود تہی دامن ہیں۔ لیکن ان سب کا تعلق دماغ سے ہے دل سے نہیں۔ اور صرف دماغ کے زور پر کی جانے والی شاعری دلوں کو چھونے میں ناکام رہتی ہے۔ شاعری کے وجود کو خون کی ترسیل دل کے ذمے ہے اور اس کی فعال شمولیت کے بغیر اس وجود میں جان پیدا نہیں کی جا سکتی۔ ناہید ورک کی شاعری میں فنی شعور کے ارتقا کے ساتھ دل کا کردار مرکزی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ خصوصیت اور نمایاں ہوتی چلی جائے گی۔

ناہید ورک ایک صاحبِ دل تخلیق کار ہیں۔صاحبِ دل پر دل صاحب جو ستم ڈھاتے ہیں اس کی کہانی الگ ہے۔ وہ اپنی الجھتی ہوئی رسیوں کو کھولنا چاہتا ہے اور اس کی لکھی ہوئی غزل، اس کی کہی ہوئی ہر نظم اس کے اندر ایک نئی گرہ لگا جاتی ہے۔احمد مشتاق جب اس مرحلے سے گزرے تو انہوں نے کہا:

اسی لیے تو میں احوالِ دل نہیں کہتا
کہوں تو اور الجھتی ہیں گتھیاں میری

ان ریشمی گتھیوں سے الجھتی ہوئی ناہید کے اندر بھی ذات اور ذاتی تجربوں سے کائنات جنم لیتی ہے۔دیکھنا یہی ہوتا ہے کہ شاعرہ کس حد تک اپنے ذاتی دکھ کو سب کا دکھ بنا سکتی ہے اور کس طرح دوسروں کے کرب کو اپنی ذات پر وارد کر سکتی ہے۔ ناہید نے بے شمار جگہ اس صلاحیت کا ثبوت دیا ہے اور لفظوں کے زینے سے دلوں کے اندر اتری ہیں۔

یہ دل کے زخم چُھپا کر جو مسکراتے ہیں
تو میرے دوست یہ آسان تھوڑی ہوتا ہے
کبھی کبھار تو بدعت بھی ہو ہی جاتی ہے
ہر ایک لمحہ ترا دھیان تھوڑی ہوتا ہے

میں اُس کی ذات میں شامل تھی، اُس کو مل جاتی
دعائے خیر سمجھ کر وہ مانگتا مجھ کو

میں جس میں دیکھ کے خود کو سنوار لوں ناہیدؔ
ابھی ملا ہی کہاں ہے وہ آئینہ مجھ کو

اپنے سب لفظ دے دیئے اس کو
اب وہی بولتا گیا تو پھر

اور پھر دل نے اُس کو چھوڑ دیا
جب تعلق بحال تھا ہی نہیں
سرمئی ہجر کو ہرا کرتا
اس میں ایسا کمال تھا ہی نہیں

سانس لیتی ایک خوشبو ہے جسے
ورد کرنے کی اجازت ہے ہمیں
دل جزیرے پر ہے اُس کی روشنی
اک ستارے سے محبت ہے ہمیں

زندگی تھی نہ کوئی روشنی کی اس میں رمق
اتنے برسوں کی رفاقت تھی مگر بے معنی
بجھ رہی تھیں مرے اندر مری سورج کرنیں
وہ سمجھتا تھا جو حالت تھی مگر بے معنی

کھول کر اپنی آنکھ کی کھڑکی

کوئی روشن ستارہ رات کو دے
دھند سے اب نکال سورج کو
سبز رنگت بھی زرد پات کو دے

یہ کس کے چھونے سے روشن ہوئے ہیں جسم اور جاں
یہ کیا ستارہ نما ہے کمال ہاتھوں میں

ناہید کی نظموں میں بھی وہی گہرے احساس والے تخلیق کار کا تخلیقی بہاؤ ملتا ہے جس میں دیگر عناصر کے ساتھ دوسروں کو شامل کرنے اور اس دھارے کا حصہ بنا لینے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔

میں ابھی ناہید ورک کی چند غزلوں، نظموں پر بات کر سکتا ہوں کہ وہی اس وقت میرے سامنے ہیں۔ آنے والی کتاب کا مجھے بھی انتظار ہے۔ لیکن کسی شاخ پر پھوٹنے والے گلاب سے مزید پھولوں کے رنگ، خوشبو اور اس کے اطراف میں پھیلنے والی مہکار کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔ ناہید کے لیے بہت سی توقعات اور دعائیں۔۔۔ کہ اس قبیلے میں خوشبو اور مہک کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہے۔

سعود عثمانی (لاہور)

خوشبو سے گفتگو کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی کہ خوشبو سے گفتگو کرنے کے لیے یا تو پھولوں کے قبیلوں سے رشتہ جوڑنا پڑتا ہے یا ہوا کے نرم جھونکوں کی روش اختیار کرنا پڑتی ہے۔ ناہیدؔ ورک اپنی شاعری میں کبھی تو پھولوں سے رشتے جوڑتی دکھائی دیتی ہیں تو کبھی ہوا کا ہاتھ تھامتی دکھائی دیتی ہیں۔

ناہید کو نجانے کس آئینے کی تلاش ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ کسی بھی قسم کا آئینہ دیکھے تو اپنے آپ کو مختلف انداز سے دیکھتا ہے، اپنے آپ کو سنوارنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ناہید کہتی ہیں کہ:

میں جس میں دیکھ کے خود کو سنوار لوں ناہیدؔ

ابھی ملا ہی کہاں ہے وہ آئینہ مجھ کو

لیکن اگر اتفاقاً کوئی گرد آلود آئینہ ناہید کا عکس اپنے اندر سمونا بھی چاہے تو ناہید اُس آئینے کی گرد دیکھ کر اُس سے گریز کر جاتی ہیں کہ:

روح کے پار جو دکھاتا تھا

تُو وہ اب آئینہ نہیں شاید

ہم کسی بھی شخص کے جانے کے بعد اکثر یہ قبول نہیں کرتے کہ وہ شخص ہمارے اطراف میں نہیں اور ہم اُس کے چلے جانے کے باوجود اُس کے رنگ و خوشبو ایک احساس کی شکل میں اپنے ساتھ رکھتے ہیں لیکن ناہید نے حقیقت کے موسم کو اپنے آنگن میں خود ہی اُتار کر کہا:

اور پھر دل نے اُس کو چھوڑ دیا

جب تعلق بحال تھا ہی نہیں

کہتے ہیں بعض اوقات ایک لمحے کی رفاقت بھی بہت ہوتی ہے اور بعض اوقات برسوں ساتھ رہنے والے ایک دوسرے کو جان نہیں پاتے، پہچان نہیں پاتے۔ کبھی برسوں کی رفاقت کا بار ہم سے اُٹھایا نہیں جاتا

151

لیکن بعض اوقات ایک لمحے کی رفاقت کا اثر ہمارے جینے کا سبب بنا رہتا ہے اور ہمیں سانس لینے پر مجبور کیے رکھتا ہے کہ ہمیں اُسی ایک لمحے کو اگر بار بار نہیں تو تھوڑی دیر اور جینا ہے۔ ناہید کے یہاں ایسے لمحوں کا موسم بہت عارضی دکھائی دیتا ہے، لیکن بے معنی رفاقت کا اثر ایک طویل داستان کی شکل میں نمایاں ہے، کہ:

160

زندگی تھی نہ کوئی روشنی کی اس میں رمق
اتنے برسوں کی رفاقت تھی مگر بے معنی

ناہیدانہی بے معنی رفاقتوں سے گریز کرنے کے لیے یہ بھی کہتی ہیں کہ:

میں رفاقت کی کہانی گر لکھوں تو کیا لکھوں؟
خامشی کے دائرے یا تیرگی کے دائرے

لیکن یہ رفاقتیں کسی تختے میں ٹھونکی گئی کیلوں کی طرح اپنی جگہ قائم رہتی ہیں کہ اگر وہ کیلیں تختے سے نکال دی جائیں تو پھر بھی اُن رفاقت کی کیلوں کے نشان اُن کے بے معنی ہونے کا احساس زندہ رکھتے ہیں۔
عجیب بات یہ ہے کہ ہم گریز کے راستے پر چلتے چلتے، بے سکونی کے راستے کی جانب پلٹ جاتے ہیں اور وہ سکون تلاش کرنے لگتے ہیں کہ جو صرف چند قدم کے لیے ہمارا ہم سفر تھا، یہ ایک فطرتی عمل ہے کہ جس سے فرار ممکن تو نہیں لیکن مشکل ضرور ہوتا ہے۔ ناہید بھی اسی شش و پنج کے لمحات میں گفتگو کرتی ہیں کہ:

وقت کی ریت سے گزرے پل میں چھانتی رہتی ہوں
اُس کی خوشبو کی سرگوشیاں ڈھونڈتی رہتی ہوں
لمحہ لمحہ وہ بھی مجھ کو توڑتا رہتا ہے
لمحہ لمحہ میں بھی خود کو جوڑتی رہتی ہوں

اور اِس گفتگو کے دوران وہ یہ سوال بھی کرتی جاتی ہیں کہ:

میں تیرے سنگ تو روشن سفر پہ نکلی تھی
یہ چار سمت اندھیروں کے سلسلے کیوں ہیں

میں تیرے خواب سے باہر نکل چکی ہوں اگر
تو جا بجا تری یادوں کے قافلے کیوں ہیں
لبوں پہ ترکِ رفاقت کے تذکرے ہیں اگر
تو میرے دل سے ترے دل کے رابطے کیوں ہیں

بعض اوقات باہر کے سناٹوں سے زیادہ اپنے اندر کے سناٹے شور کرتے ہیں۔ انسان اپنے اندر یہ سب سناٹے قید رکھے تو سانس بھی لینا دشوار ہو جاتا ہے، اسی لیے ناہید ان سناٹوں سے خود کو اس لیے آزاد کرواتی ہیں کہ:

دھواں بن کے سانسوں میں چُبھنے لگی تھی
خموشی کو اب توڑنا پڑ گیا ہے

اور جب یہ خاموشی ٹوٹتی ہے تو ناہیدؔ ورک کی کتاب ”گیلی چُپ“ جنم لیتی ہے۔

عرفان مرتضیٰؔ اپریل 2013 - لاس اینجلس (امریکہ)

نا ہیدؔ ورک ایک روشن بشارت

ناہیدؔ ورک پاکستان میں وطن سے بے وطن ہو کر سات سمندر پار کی تہذیب وثقافت سے ہم سخن ہوئی ہیں۔ اس زمینی سفر نے انہیں نئے درختوں، نئے پرندوں اور نئے موسموں سے آشنا بھی کیا ہے اور غالب کے لفظوں میں ان کی آنکھ کو ہر رنگ میں وا ہو جانے کا حوصلہ بھی دیا ہے۔ دو تہذیبوں کی کشمکش یوں تو ادب میں نت نئی شکلوں میں ظاہر ہوتی رہی ہے، لیکن ناہیدؔ نے اس کشمکش کا اظہار صنفِ غزل کے دائرہ میں اپنی عمر اور جسم میں خون کے دوران کی سمت و رفتار تک محدود رکھا ہے۔ اس تخلیقی رویہ نے ان کے الفاظ کو داخلی حُسن سے آراستہ کیا ہے:

مدتوں کے بعد کی خوشبو نے مجھ سے گفتگو
مدتوں کے بعد مہکے زندگی کے دائرے

اُن کے فکری دائروں کی حدود نے ان کی غزل میں نئی فضا کو منعکس کیا ہے:

میں جس میں دیکھ کے خود کو سنوار لوں ناہیدؔ
ابھی ملا ہی کہاں ہے وہ آئینہ مجھ کو

اس آئینہ کی تلاش ہی ان کے تخلیقی ارتعاش کی زیبائش ہے۔

زندگی تھی نہ کوئی روشنی کی اس میں رمق
اتنے برسوں کی رفاقت تھی مگر بے معنی

ناہیدؔ کے ہاں ان کے احساسات کا ظہور ہی ان کے جذبہ و احساس کی وسعتوں کی روشن بشارت ہے۔

ندا فاضلی نومبر 2010 ممبئی (انڈیا)

ناہیدؔ ورک کی گیلی چُپ

جب میرے پاس ناہید کی کتاب گیلی چُپ آئی اور معمون نے گیلی چُپ پڑھا تو میں نے اُسے ڈانٹا کہ گیلی چُپ کوئی بات ہوتی ہے۔ یہ گیلی چوب ہوگا۔ چوب لکڑی کو کہتے ہیں۔ پھر میں نے اپنی بیٹی سے کہا کہ وہ مجھے پڑھ کر بتائے، میں اُس پر ذرا اعتبار زیادہ کرتا ہوں، تو اُس نے مجھے بتایا کہ نہیں جی یہ ''گیلی چُپ'' ہی ہے۔

تو گیلی چپ سے ہم آغاز کر رہے ہیں اپنی بات کا۔ اس کی جو گیلی چپ ہے، آپ لوگوں نے جو مطلب نکالے ہوں اس کے، میں اُن سب سے اختلاف کرتا ہوں۔ یہ چُپ انتقامی چُپ ہے۔ یہ Weeping Silence نہیں ہے، جب زندگی میں نارسائی آ جائے، جب زندگی میں جو احساس ہوتا ہے حُسن کی تلاش کا، محبت کی کامیابی کا، اُس میں ہلکی ہلکی ناکامی نظر آ رہی ہو، محبت کی کامیابی دراصل اُس کی ناکامی ہوتی ہے۔ ناہید تم زندگی میں کامیاب ہو۔ اس لیے کامیاب ہو کہ تمہارے ہاں نارسا جذبہ موجود ہے۔ اگر رسائی تمہاری ہو جاتی اُس شخصیت تک جو تمہارے خوابوں میں ہے، خیالوں میں ہے، جس کے لیے تم آئینے میں سنورنا چاہتی ہو، جس کے لیے تم چاہتی ہو کہ اُس سے گفتگو ہو سکے تو تمہاری یہ شاعری نہ ہوتی۔

میں شاعری میں پس منظر کا بڑا قائل ہوں۔ پس منظر جسے آپ Existence یا Background کہہ سکتے ہیں، جسے آپ ذات کہہ سکتے ہیں، یہ پہلی جٹّی ہے (ورک جٹ ہوتے ہیں) جس نے شاعری میں آ کر اظہار کیا ہے اُن سچّے جذبات کا، اُن سچّے احساسات کا کہ جو انسان کی زندگی پر وارد ہوتے ہیں اس ضمن میں کہ کبھی وہ ٹوٹتے ہیں، کبھی وہ بکھرتے ہیں، کبھی وہ پھر سنورتے ہیں، پھر بنتے ہیں پھر بگڑتے ہیں اور زندگی کو اسی طریقے سے گزارتے چلے جاتے ہیں۔

ناہید، تم اردو زبان کی، یہ بڑی ذمہ داری سے میں بات کر رہا ہوں، جس عمر میں میں ہوں اُس عمر میں جھوٹ بولنا بڑا نقصان دہ ہوتا ہے، لیکن ایک سچائی یہ ہے کہ ناہید ورک تم ہمارے عصرِ جدید میں اردو سے سب

سے بڑی شاعرہ ہو۔ آپ کے ہاں لفظوں میں جو اسلامک ٹرمینالوجی استعمال ہوئی ہے میں سمجھتا ہوں یہ آپ وہاں مشی گن میں بیٹھ کر جہاد کر رہی ہیں۔ لفظوں کا استعمال ہی دراصل حقائق کو سامنے لے کر آیا کرتا ہے۔

ہم جب شاعری کی طرف آتے ہیں تو ایک بات دل میں رکھ لیں اور ساتھ لے کر جائیں کہ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔ آپ یقین کریں وہ شخص کبھی شاعر نہیں بن سکتا جس کے دل میں کدورت ہو۔ شاعری پاکیزہ جذبات کے اظہار کا نام ہے۔ اور یہ جو" گیلی چُپ" ہے نا یہ ری ایکشن ہے، یہ ردِ عمل ہے۔ ہماری ناہید اتنی کمزور نہیں ہے کہ وہ شکست خوردگی کے احساس کے ساتھ روئے، نہیں۔ یہ احساس دلانا ہے کیونکہ قرآن کا حکم بھی یہی ہے کہ ہنسومت کہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتے ہیں۔ رویا کرو۔

جیسا میں نے آپ سے کہا کہ یہ لڑکی کمال کر رہی ہے۔ یہ اپنے الفاظ کے ذریعے تبلیغ کر رہی ہے اخلاقیات کی۔ کیا آپ نے یہ پہلو تلاش کیا ہے اس کی شاعری میں؟ اس کے اندر اس کے جو جذبات ہیں، جو پاکیزگی ہے، اس میں وہ جٹی نہیں بول رہی بلکہ ایک مومنہ بول رہی ہے اندر سے۔ پوری شاعری آپ اس کی دیکھیں، پوری شاعری میں جو Rigidness ہے اس کی آپ لوگ اس طرف نہیں آئے۔ یہ Rigidness اس کی شاعری میں آئی ہوئی ہے۔ صاف ستھرا پن ہے، بالکل صاف، صاف ستھری بات کرنا۔ اور شاعری کی وہی خوبصورتی ہوتی ہے کہ جس میں آدمی اُن جذبوں کے اظہار کے لیے بات کر رہا ہو۔ ناہید کی شاعری میں جہاں ایک خاتون کا لب ولہجہ ہے وہیں مردانہ وار سماج سے مقابلہ کرتے بھی نظر آتی ہے۔

میری کھری بات یہی ہے کہ میں نے آپ کی شاعری میں جو سب سے بڑی بات محسوس کی ہے وہ آپ کے لہجے میں کہیں کہیں جو اکھڑ پن آتا ہے وہ وہی ہے کہ آپ جس طرف جا رہی ہیں دیکھتی ہیں کہ اس منزل پہ غالباً وہ حُسن موجود ہے، اس مقام پر وہ حُسن موجود ہے جس کی مجھے تلاش ہے پھر وہ آپ کو نہیں ملتا، آپ نے اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ پھر آگے چلتی ہیں، دوسری منزل اختیار کرتی ہیں، تیسری منزل ۔۔۔اور یہ راستوں کی تلاش ہی دراصل انسانی زندگی ہے۔ آپ اس سے نکلیں گی تو آپ کچھ نہیں کر سکتیں۔ آپ کی شاعری میں مجھے کم پر فیکشن

نظر آئی ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو شاعر یہ سمجھتا ہے کہ وہ پرفیکٹ شاعر ہے وہ مر جاتا ہے۔ آپ اچھی گفتگو کرنا جانتی ہیں، اچھا لب ولہجہ ہے آپ کا، یہ آپ کے خوش آئین سفر کی ابتدا ہے۔ ناہید ورک تم میرے لیے میری بیٹی کی طرح ہو، میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔

(اقبال ارشد-تاریخ وصال 4 ستمبر 2018 ملتان)

☆☆☆ 16 نومبر 2012 کو ملتان میں گیلی چُپ کی تقریبِ پزیرائی کے موقع پر مرحوم محترم اقبال ارشد کا اظہارِ خیال جو تقریب کی آڈیو ریکارڈنگ سے حاصل کیا گیا ہے۔ یہ رائے میرے لیے بہت معتبر ہے اور ایک ایسا اعزاز ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔
اللہ پاک مرحوم کے درجات بلند فرمائیں، آمین۔ (ناہید وِرک)

تتلیوں سے سرگوشیاں کرتی شاعرہ- ناہیدؔ ورک 160

میں اُس کی ذات میں شامل تھی اس کومل جاتی
دعائے خیر سمجھ کر وہ مانگتا مجھ کو
میں جس میں دیکھ کے خود کو سنوار لوں ناہیدؔ
ابھی ملا ہی کہاں ہے وہ آئینہ مجھ کو

آج سے تقریباً سات سال پہلے کینیڈا کے شہر ٹورانٹو میں جب یہ نام پہلی دفعہ سُنا تو یہ نام سُنتے ہی ایسے لگا کہ ناہید ورک پنجاب کی کوئی جُٹی سرسوں کے سرسبز کھیتوں میں سر پہ لسّی کا مٹکا رکھے پگڈنڈیوں پہ چلتی ہوئی یا ساگ کی کومل کومل گندلیں توڑتی ہوئی کوئی مٹیار ہو گی لیکن جب محترم پیرزادہ قاسم صاحب کی زیرِ صدارت ہونے والے مشاعرے میں ناہیدؔ کی شاعری کو سُنا تو یہ انکشاف ہُوا کہ یہ سرسوں کے کھیتوں سے گندلیں توڑنے والی جُٹی بالکل بھی نہیں بلکہ سرسوں کے پیلے پیلے خوشنما گداز پھولوں پر اُڑتی ہوئی سفید رنگ کی خوبصورت تتلیوں سے سرگوشیاں کرنے والی ایک خوبصورت شاعرہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سافٹ ویئر انجینئرَ ہے۔
اور جب انہی خوبصورت سرگوشیوں کو پھولوں کی طرح لفظوں میں پیروتی ہیں تو وہ ”تیرے نام کی آہٹ“ بن کر کتاب کی شکل میں ناہید کی تخلیق بن جاتی ہے۔

ہاتھ کی لکیروں سے کس طرح نکالوں میں
تیری یاد کے موسم تیرے نام کی آہٹ
اور
رات کے اُترتے ہی دل کی سُونی گلیوں میں
جاگ اُٹھتی ہے پھر سے تیرے نام کی آہٹ

اور پھر جب کسی کے نام کی آہٹ کانوں کے رستے ہوتی ہوئی دل میں سنائی دینے لگے اور زبان اُس آہٹ کے جواب میں کچھ کہنے کے لیے بے تاب ہو جائے تو یکا یک ہونٹوں پر" گیلی چُپ" کے پہرے لگ جاتے ہیں مگر پھر بھی شاعرہ یہ کہتے ہوئے نظر آتی ہے:

عذابِ ہجر سے انجان تھوڑی ہوتا ہے
یہ دل اب اتنا بھی انجان تھوڑی ہوتا ہے
کبھی کبھار تو بدعت بھی ہو ہی جاتی ہے
ہر ایک لمحہ تر ا دھیان تھوڑی ہوتا ہے

اگر ہم شاعری کی تاریخ پر زیادہ دور نہ جاتے ہوئے نظر دوڑائیں تو ہمیں یہ بات بالخصوص ماننا پڑے گی کہ موجودہ ادب میں خواتین کا کردار بہت اہم ہے اور بہت بڑی تعداد میں خواتین نے شاعری کے میدان میں نہ صرف قدم رکھا بلکہ بہت خوبصورت ادب تخلیق کیا۔ جن میں پروین شاکر، نوشی گیلانی، محترمہ حمیرا رحمان، صبیحہ صبا، مونا شہاب اور بھی بہت سے نام شامل ہیں۔ محترمہ ناہید بھی آج اس صف میں کھڑی نظر آتی ہیں، لیکن، یہ بھی تلخ حقائق ہیں کہ آج کل بہت سے شاعر اور شاعرات محض نام اور شہرت کے حصول کے لیے اس شعبے میں سرگرمِ عمل ہیں۔ لیکن ناہیدؔ کا شمار اُن شاعرات میں ہوتا ہے جو خالصتاً تخلیقی سرگرمیوں میں مصروف ہیں اور اس کا بنیادی حوالہ" تیرے نام کی آہٹ" اور" گیلی چُپ" کی شکل میں اُن کی دو خوبصورت تخلیقات ہیں جو ہمارے لیے قابلِ فخر بات ہے۔ وہ یہاں دیارِ غیر میں اپنی اوائل عمری سے مقیم ہونے کے باوجود کسی ادبی سیاست میں ملوّث ہوئے بغیر ادبی سرگرمیوں میں مصروف رہتی ہیں۔

شام کی شام سے سرگوشی سُنی تھی اک بار
بس تجھی سے تجھے امکان میں رکھا ہُوا ہے

ناہیدؔ ورک کی شاعری کا بنیادی حوالہ اگرچہ محبت ہے مگر وہ روایتی ہجر اور وصال کی کیفیات کو اپنی

شاعری کا حصہ نہیں بنا رہی بلکہ اُن کے ہاں محبت خالصتاً ان کے باطن سے پھوٹتی ہے اور محبت اُن کے لہو میں رواں دواں ہے۔ وہ بغیر کسی منصوبہ بندی کے اپنی تمام تر دلی کیفیات کو اپنی غزلوں اور نظموں میں پیروتی چلی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کا رنگ ان کا اپنا رنگ ہے اور وہ کسی اور رنگ میں رنگنے کو تیار ہی نہیں۔

ضبط ہونٹوں پہ آ گیا تو پھر
تیرا سب حوصلہ گیا تو پھر
وہ جو تعبیر بن کے آیا ہے
خواب سارے جلا گیا تو پھر

دیکھتے ہیں تو ناہید یہاں امریکہ میں مقیم ہے لیکن حیران کُن بات یہ ہے کہ ایک ترقّی یافتہ معاشرے اور آسودگیوں میں زندگی گزارنے والی یہ شاعرہ اپنے اندر وہی اضطراب، بے چینی، اور تڑپ رکھتی ہے جو پاکستان میں رہنے والے کسی بھی فرد کی ذات کا حصہ ہے۔ یہ رہتی تو امریکہ میں ہیں مگر ان کی روح اپنی دھرتی کی مٹی میں سانس لے رہی ہے یہی وجہ ہے کہ اپنے دیس پر آنے والی آفات پر اس دل روتا ہے۔ چاہے وہ اکتوبر 2008 کے زلزلے ہوں یا اگست 2010 میں آنیوالے سیلاب کی تباہ کاریاں۔ ناہید کا قلم بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے

ہر اک کی زباں پہ یہی داستاں ہے
یہاں پر جو گھر تھا مرا وہ کہاں ہے
کہیں بچّہ رو رو بُلاتا ہے ماں کو
کہیں سسکیوں میں گھری اُس کی ماں ہے
جہاں زندگی کی ہنسی گونجتی تھی
وہاں ہر طرف سسکیوں کا دھواں ہے

ناہیدؔ ورک کے وجود میں ایک مشرقی لڑکی سانس لے رہی ہے اوراوپر سے وہ مشرقی لڑکی ایک شاعرہ بھی ہے لہذا اس کی شاعری واضح طور پراُن نسوانی جذبات کا اظہار بھی ہے جو کسی بھی لڑکی میں ہو سکتے ہیں خاص طور پر جب وہ اپنی ماں سے ہمکلام ہوتی ہیں تو ان کی ہوک دلوں کو چیر کے رکھ دیتی ہے۔

میرے پیکر میں یوں بسی ہے ماں
آئینے میں مجھے دکھی ہے ماں
کوئی بھی حال آشنا نہیں ہے
اورضرورت تری کڑی ہے ماں
دیکھ مُرجھا گئی ہوں تیرے بعد
یہ جدائی تری کڑی ہے ماں

ناہید کی غزلوں اور نظموں میں معنویت اور تسلسل نظر آتا ہے اور اس کے اندر احساس وشعور کا بے کراں سمندر متلاطم ہے۔ ان کے نزدیک محبت سطحی جذبات سے ماورا کوئی چیز ہے۔

ابھی تو روح میں تیرا ظہور ہونا ہے
مرے وجود کو تیرا شعور ہونا ہے

ناہید کے قلم سے ابھی بہت سے تخلیقی شہ پاروں کو معرض المہار میں آنا اور شاعری کے اُفق پہ جگمگانا ہے۔
خدائے بزرگ وبرتر سے دعا ہے کہ کامیابی اور کامرانیاں ہمیشہ ان کی قدم بوسی کرتی رہیں۔
اللہ زورِ قلم مضبوط سے مضبوط کرے۔(آمین)

اعجاز حسین بھٹی ، اپریل 27، 2013، نیو یارک (امریکہ)



ابھی سے طاقِ طلب پر نہ تُو سجا مجھ کو
ابھی تو کرنا ہے اس دل سے مشورہ مجھ کو

ابھی شبیہہ مکمل نہیں ہوئی تیری
ابھی تو بھرنا ہے اک رنگ ماورا مجھ کو

کوئی نہ کوئی تو صورت نکل ہی آئے گی
ذرا بتاؤ تو در پیش مرحلہ مجھ کو

یہ بات بات پہ تکرار و بحث کیا کرنا
کہ جیتنا ہے تمہیں اور ہارنا مجھ کو

میں اُس کی ذات میں شامل تھی، اُس کو مل جاتی
دُعائے خیر سمجھ کر وہ مانگتا مجھ کو

میں جس میں دیکھ کے خود کو سنوار لوں ناہید
ابھی ملا ہی کہاں ہے وہ آئینہ مجھ کو